مجلس ادارت

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ اسی روپے　فی شمارہ سات روپے

پاکستان میں سالانہ دو سو روپے

دیگر ممالک میں سالانہ　ہوائی ڈاک　بیس پونڈ　یا بتیس ڈالر

بحری ڈاک　سات پونڈ　یا گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحیی　شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج۔ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں، بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARULMUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینے کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

کمیشن ۲۵٪ ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہیے۔

جلد ۱۶۰　ماہ جمادی الآخر ۱۴۱۷ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۹۶ء　عدد ۴

فہرست مضامین

شذرات

دنیا کی کسی قوم و جماعت میں خواہ کیسا ہی شدید اختلاف کیوں نہ ہو لیکن جب اس پر سخت اور نازک وقت آتا ہے تو وہ اپنے باہمی اختلافات کو بھول جاتی ہے اس کے تمام افراد مل جل کر دوسری قوموں اور جماعتوں کی طرف سے ہونے والے حملوں اور خطروں کا سد باب کرنے میں لگ جاتے ہیں اور دوسروں کے ظلم و تعدی کو روکنے کے لیے سینہ سپر ہو جاتے ہیں اغیار کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو ناکام بنانے کے لیے برابر فکر مند رہتے ہیں لیکن جس قوم کا زوال و ادبار حدِ انتہا کو پہنچ جاتا ہے وہ نازک موقع پر بھی ہوش مندی اور تدبر سے کام نہیں لیتی اور سخت وقتوں میں بھی اپنے ہی جھگڑوں اور بکھیڑوں میں الجھی رہتی ہے مسلمان بھی اسی صف میں شامل ہیں، وہ مسلسل مصیبتوں اور خطروں میں گھرے ہوئے ہیں اور ہر طرف سے ان پر یلغار ہو رہی ہے مگر اس کے باوجود وہ متحد و متفق ہونا جانتے ہی نہیں نہ باہمی اختلافات کو بھول رہے ہیں نہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں کی سازشوں کو ناکام بنانے کی تگ و دو کر رہے ہیں ؎ نہ جانے کس ادا میں ہے دلِ دیوانہ برسوں سے

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسلمانوں پر عجب وقت آپڑا ہے اقوام عالم انہیں بیخ و بن سے نیست و نابود کر دینا چاہتی ہیں لیکن وہ اپنے کانوں میں تیل ڈال کے بیٹھے ہوئے ہیں ان کے مخالفین انکے خلاف ریشہ دوانیاں کر رہے ہیں مگر انکو اس کی کوئی فکر نہیں، بیرونی حملوں اور خطروں سے وہ بالکل بے پروا ہیں کہیں سے انکے مقابلے کے لیے کوئی حرکت اور بیداری نہیں ہو رہی ہے اس بے حسی کے ساتھ یہ ستم بھی دیکھئے کہ وہ اپنے ہی بھائیوں کے خون کے پیاسے ہیں جو اختلافات فرسودہ ہو چکے ہیں یا مدت سے دبے ہوئے تھے انکو از سر نو زندہ کر رہے ہیں ان کا نمانہ جنگی معرکہ آرائی، باہمی عداوت و مخاصمت انکا وتیرہ بن گئی ہے ایک دوسرے کی تحقیر و رسوائی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، نفرت، کدورت اور بغض و حسد کی آگ ہر دل میں بھڑک رہی ہے غرض ساری صلاحیت قوت اور دولت ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں صرف ہو رہی ہے، آخر اس کا انجام کیا ہوگا؟ دشمن سے غفلت و بے پروائی اور باہم ایسی سخت آویزش و کشمکش کا نتیجہ کیا نکلے گا؟

اس سے اتفاق ہے کہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ضروری ہے لیکن کیا اس کے لیے قتال و خون ریزی اور شر انگیزی بھی ضروری ہے؟ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے بعض فرقوں کے عقائد و اعمال بہت بگڑ چکے ہیں بلکہ انکے حدود کفر و شرک سے جا ملے اور توحید خالص سے بالکل مختلف سمت میں ہو گئے ہیں انکی اصلاح و ہدایت کے لیے وعظ و تذکیر لابد ہے وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ لیکن دعات و مبلغین کا بڑا طبقہ خود ہی ناپختہ اور محتاجِ اصلاح ہے، وہ اسلام کے اصولِ دعوت حکمت، موعظت، بالطریقِ احسن جدال اور بشروا ولا تنفروا کی روح سے ناآشنا ہے اسلیے اسکی دعوت و تبلیغ حق و صداقت سے برگشتہ کر دیتی ہے غلط موقف پر لوگوں کے اصرار میں مزید شدت پیدا کر دیتی ہے مدعو میں ایسی نفرت اور عصبیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ باطل عقیدہ و خیال سے دست بردار ہونے کے بجائے حق سے اور زیادہ منحرف اور بعید تر ہو جاتا ہے تبلیغی جماعت کے طریقۂ اصلاح و دعوت سے توڑنے کے بجائے جوڑنے اور فصل کے بجائے وصل کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ دعوت و تبلیغ کا ایک میدان غیر مسلم بھی ہیں مگر پتہ نہیں اس کی جانب توجہ کیوں نہیں ہے؟ اسلام اور مسلمانوں سے غیر مسلموں کی نفرت و بدگمانی دور کرنے کے لیے یہ ایک ضروری کام ہے ورنہ غیر مسلم خود مسلمانوں کو اپنے اندر جذب کر لیں گے۔ جماعت اسلامی نے اس میدان کا رُخ کیا تھا، ضرورت ہے کہ سیاست کی خار زار سے دامن بچایا جائے اور یہ ارشاد ربانی پیش نظر رکھا جائے اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

مسلمانوں میں ذات برادری کے اختلافات بھی شباب پر ہیں مذہباً ایک ہوتے ہوئے بھی ذات برادری کا اختلاف انہیں ایک دوسرے کے قریب نہیں ہونے دیتا، وہ غیر مسلموں سے مل جل کر رہ سکتے ہیں، لیکن غیر برادری کے مسلمانوں سے میل جول رکھنا گوارا نہیں کرتے، گاؤں کی پنچایت سے لے کر پارلیمنٹ کے الکشن کے وقت یہ اختلافات بہت کھل کر اور بڑی بھونڈی اور مضحکہ خیز صورت میں سامنے آتے ہیں اتفاق سے اگر کوئی مسلمان کسی پارٹی کے ٹکٹ پر امیدوار ہوتا ہے تو محض برادری کے اختلاف

کی وجہ سے وہ اپنے ہم مذہبوں کے ووٹ سے محروم رہتا ہے، دوسری طرف جس برادری سے امیدوار کا تعلق ہوتا ہے اس برادری کے لوگ آنکھ بند کرکے اسے ووٹ دیتے ہیں اور یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ کتنی بے اصول، موقع پرست، فرقہ پسند اور مسلمانوں کے معاملات و مسائل سے کوئی دلچسپی نہ لینے والی جماعت کا امیدوار ہے، اس وقت بڑا اہم اور ضروری مسئلہ یہ ہے کہ فرقہ پرست جماعتوں کو روکنے کے لیے مسلمانوں کے ووٹ منقسم نہ ہوں، اگر قوم و برادری کے نام پر ووٹ دیے گئے تو تقسیم ہوکر غیر موثر اور بے نتیجہ ہوجائیں گے، اس سے بچنے کی صورت صرف یہی ہے کہ ان سیکولر پارٹیوں کی حمایت کی جائے جن کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ ہمدردانہ ہے اور جو فرقہ پرستوں سے ٹکر لے رہی ہیں خواہ انکا امیدوار کسی فرقہ و مذہب کا کیوں نہ ہو۔ انتخابات کی بات آگئی ہے تو ووٹر لسٹ کے معاملے میں بھی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے تاکہ کوئی نام اس میں درج ہونے سے رہ نہ جائے اور غلط ناموں کی تصحیح بھی ہوجائے، عام لوگوں کے لیے یہ کام انجام دینا مشکل ہو تو ہر آبادی اور ہر محلہ کے سمجھدار اور ذمہ دار لوگوں کو اسے اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیے۔

اردو ہندوستان کے ہر فرقہ و مذہب کے لوگوں کی زبان ہے مگر متعصب اور تنگ نظر لوگوں نے اسے صرف مسلمانوں کی زبان بنادیا ہے اور جس طرح مسلمانوں کے ساتھ ظلم و ناانصافی عام ہے اسی طرح کا معاملہ اس زبان کے ساتھ بھی ہورہا ہے، اس کے ساتھ سب سے زیادہ معاندانہ رویہ اترپردیش کی حکومت کا رہا ہے۔ ہیم وتی نندن بہوگنا اور ملائم سنگھ یادو کو چھوڑ کر سب ہی وزرائے اعلیٰ یو۔پی میں اردو کو مٹانے کے لیے اسے بڑھنے پڑھنے کے مواقع مسدود کرتے رہے ہیں لیکن اس صورت حال کی ذمہ داری صرف حکومت پر ڈال کر خود کو بری الذمہ نہیں قرار دیا جاسکتا، ان صفحات میں اردو والوں کی کوتاہیوں پر بار بار اظہار خیال کیا گیا اور بعض معاصر رسالوں میں بھی اس پر بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے مگر افسوس ہے کہ ان دردمندانہ معروضات کو اردو والوں کی توہین پر محمول کرکے ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اپنے غلط رویے میں اصلاح و تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی جارہی ہے ؎

رعنائی خیال کو ٹھہرا دیا گناہ
زاہد بھی کس قدر ہے مذاق سخن سے دور

مقالات

محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے معالج

بائبل کی دو بشارتوں کی روشنی میں

مولانا حبیب ریحان خاں ندوی بھوپال

اسلام نسخۂ شفاء

کمیونزم، سرمایہ داری، موجودہ مسیحیت اور مغرب کا فلسفہ جب تہذیب حاضر کی پیدا کردہ بیماریوں کے علاج میں ناکام ہیں تو ہماری رائے میں اس جانکاہ مرض کا علاج صرف یہ ہے کہ ہم فطرت بشری کے سب سے بڑے نبض شناس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لیں اور ان کے نسخۂ شفاء (قرآن وسنت کا قانون اسلامی) کو اپنا لیں کیونکہ تاریخ انسانیت شاہد ہے کہ جب جب اس نے اس دوا کو استعمال کیا بیماریوں سے اسے کامل و مکمل شفا حاصل ہوگئی ہے!

اسلام انسان کو تمدن، تہذیب، ترقی، شہریت سب کی دعوت دیتا ہے لیکن اسلامی تہذیب و تمدن کی اصل اولین یہ ہے کہ خدا کا دین اور اس کی شریعت دنیا میں نافذ ہو گی اور اس کے زیر سایہ ایسی ترقی ہوگی کہ چشم فلک حیران ہوجائے گی اور جاننے والے اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ یورپ کی جدید صنعتی ترقی میں کہاں تک اسلامی علوم اور تہذیب اور ترجموں کا ہاتھ ہے لیکن اسلامی تہذیب امن وسلامتی کا پرچم اور تمدن وثقافت کا مرکز بنی ہوئی تھی کیونکہ اس کا رشتہ اللہ سے جڑا ہوا تھا اور روحانیت کے شعلے اس میں موجود

تھے، اکبر کی زبان میں ؎

تعلیمِ مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے — سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا

حضرت موسیٰ کی پیشین گوئی لیکن جدید مغربی ترقی جنگ اور ظلم کی دعویدار بنی ہوئی ہے، اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکی ہے کیونکہ اس کا رشتہ خالقِ کائنات سے ٹوٹ چکا ہے اسلیے اس زہر کا علاج لبنان کے صحرا میں نہیں مکہ کے صحرا میں ہے، وادی سیناؔ اور شعیرؔ کی چٹانوں میں نہیں بلکہ کوہِ فاران کے پاس ہے کیونکہ بائبل کی زبان میں حضرت موسیٰؑ کی توراۃ کے آخری باب میں اپنی وفات سے قبل بنی اسرائیل کو جو برکت دی اس میں اس طرح کہا:

"خداوند سیناء سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا اور کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے ایک آتشی شریعت تھی۔" (استثنا ۳۳: ۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی بالکل واضح ہے اس لاکھوں کے لفظ پر بحث کی ضرورت بھی نہیں تاہم علمی امانت کے طور پر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ اس لفظ کی اصل کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ اصل میں کیا تھے، کوثر نیازی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"کتاب مقدس میں پہلے دس ہزار کے الفاظ تھے مگر جب اہل اسلام نے اس تعداد کو حضورؐ کے صحابہؓ پر منطبق کر کے آپ کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچانا شروع کیا تو اس کتابِ مقدس میں یہ الفاظ بدل دیے گئے، اب دس ہزار کی جگہ لاکھوں کے الفاظ ہیں۔"[1]

مولانا کوثر صاحب کی یہ بات بالکل صحیح اور مدلل ہے اور اس دعوے کی دلیل انہوں نے آگے چل کر اس طرح دی ہے کہ:

"سکوفیلڈ ریفرنس بائبل ۱۹۱۶ء کے انگریزی ترجمہ میں دس ہزار قدسیوں کے الفاظ

[1] آئینہ تثلیث: مولفہ مولانا کوثر نیازی، صفحہ ۱۳۲۔

موجود ہیں۔"[1]

ربوہ کی تحقیق اردو کے حالیہ ترجموں میں لاکھوں کا لفظ ہے، عربی ترجمہ میں ربوات کا لفظ ہے جس پر زیر و زبر نہیں ہے اس لفظ کی تحلیل کے لیے لغت کی مدد ضروری ہے، عربی لغت میں ربوہ دس لاکھ کو کہتے ہیں اور ربوہ بڑی جماعت مانند دس ہزار کو۔[2]

اس لیے اس جگہ دونوں کا احتمال ہو سکتا ہے، حضرت سلیمان کے نشید الانشاد میں ربوہ کا لفظ موجود ہے جس سے مراد دس ہزار ہیں جو اردو ترجمہ میں بھی موجود ہیں۔

"میرا محبوب سرخ و سفید ہے وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔" (غزل الغزلات ۵: ۱۰)

اس تفصیل سے نفس پیشین گوئی پر مطلق کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نہ تحریفِ کتاب پر کوئی حیرت ہوتی۔ لیکن ہاں:

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ — الفاظ کو اس کے محل سے پھیر دیتے ہیں یعنی بدل دیتے ہیں۔ (النساء: ۴۶)

ضرور مل جاتا ہے۔ کیونکہ ہزار یا لاکھ کا لفظ محض کثرت تعداد کے اظہار کے لیے بولا جا سکتا ہے۔ نیز یہ کہ فتح مکہ کے دن اگر دس ہزار اسلام کے سپاہی موجود تھے تو جس دن شریعت الٰہیہ مکمل ہوئی یعنی حجۃ الوداع اس دن اس سے بہت زیادہ مسلمان وہاں پر سربسجود تھے۔

الغرض حضرت موسیٰؑ کی موت سے قبل دی گئی پیشین گوئی حرف بحرف ثابت ہوئی حضرت عیسیٰؑ کے بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فاران سے آئے اور جہاد ساتھ لائے نیز ایسی کامل و مکمل شریعت بھی لائے جو قیامت تک انسانوں کو راہِ راست دکھائے گی۔

پیشین گوئی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے حضورؐ کے بعد کسی آنے والے کی

[1] آئینہ تثلیث: مولفہ مولانا کوثر نیازی، ص ۱۴۱ [2] مصباح اللغات: مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ مادہ ربا۔

بشارت نہ دی جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی شریعت تا قیامت چلتی رہے گی۔

ایلیا یا مسیحؑ مراد نہیں ہوسکتے | پیشین گوئی سے حضرت ایلیا (الیاس علیہ السلام) بزعم یہود اس لیے مراد نہیں ہوسکتے کہ وہ یہودی عقیدہ کے مطابق قیامت سے قبل آئیں گے، فاران کا پہاڑ مکہ میں ہے گو کتاب مقدس کے شارح فاران سے شام کا علاقہ مراد لیتے ہیں، اس کی تفصیل انشاء اللہ کسی دوسرے موقع پر کی جائے گی، نیز حضرت موسیٰؑ نے اس آخری پیشین گوئی سے پہلے بھی جس آنے والے کی بشارت دی ہے وہ ہم یہاں برسبیل تذکرہ نقل کرتے ہیں تفصیلی بحث "بشارات محمدؐ کتب مقدسہ میں" جیسی کتاب میں کی جائے گی۔

"خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا، یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی"۔۔۔ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منھ میں ڈالونگا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا" (استثنا ۱۸: ۱۵-۱۹)

حضرت الیاس موسیٰؑ کی نسل سے نہیں ہیں بلکہ ان سے بہت پہلے پیدا ہوئے تھے، موسیٰؑ کی مانند صاحب کتاب و شریعت نبی بھی وہ نہیں ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ بن باپ پیدا ہوئے، بلکہ مسیحی تو ان کو ابن اللہ مانتے ہیں وہ موسیٰؑ کے بھائیوں میں کیسے ہوسکتے ہیں، نیز حضرت عیسیٰؑ صاحب شریعت نہیں تھے صاحب بشارات تھے اور خود حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے متبع تھے، جہاد کا حکم بھی نہیں دیا تھا۔

صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی بشارت کا مصداق ہیں کہ آپ اسحاقؑ کے بھائی اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں، حضرت موسیٰؑ ہی کی طرح صاحب شریعت و جہاد ہیں، تاریخ بنی اسرائیل

شاہد ہے کہ موسیٰؑ کی مانند کوئی نبی نہیں آیا تو پھر قیامت سے پہلے جب نزول مسیحؑ ہوگا تو اب وہ شریعت محمدیہ کے تابع ہونگے، مستقل بالذات نہیں ہونگے۔

حضرت مسیحؑ کی بشارت | کامل حق لے کر جلوہ گر ہونے کی بشارت حضرت مسیحؑ نے بھی دی ہے اور حضرت موسیٰؑ کی طرح آخری زمانہ میں دی ہے۔

"اس کے بعد میں تم سے زیادہ باتیں نہ کرونگا۔ کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے" (یوحنا ۱۴: ۳۰)

آگے چل کر یوحنا ہی کی انجیل میں اس طرح تفصیل ہے:

"انھوں نے مجھ سے مفت عداوت رکھی۔ لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا (یوحنا ۲۶ : ۲۷)

یوحنا ہی کے مزید جملے ملاحظہ ہوں:

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دونگا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے، راستبازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے، مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کرسکتے"۔

"لیکن جب وہ روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا، لیکن جو سنے گا وہ کہے گا اور تمہیں آیندہ کی خبریں دے گا اور میرا

جلال ظاہر کرے گا۔" (یوحنا ۱۶: ۷-۱۵)

ہمارا مقصد اس مضمون میں بشارتیں جمع کرنا نہیں ورنہ بائبل کے عہدِ عتیق و عہدِ جدید سے بے شمار ایسی بشارتیں جمع کی جا سکتی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرور و سردار بناکر ارسال کیے جانے کی وضاحتیں موجود ہیں لیکن سیاق کلام میں صرف انجیل یوحنا کی یہ بشارت آگئی جس کی قدرے تفصیل ضروری ہے۔

انبیاء پر گواہ دنیا و آخرت میں

دوسری بات یہ کہ یہود نے جو تہمت آپ پر لگائی تھی اس سے آپ کو بری کرنا نیز مسیحیوں نے جو افسانے گڑھ رکھے تھے ان کا پردہ کون چاک کرے گا؟ یہ وہی روحِ حق جب آئے گا تو کرے گا اور میرے خلاف کہی گئی باتوں کو رد کرے گا اور میرے حق میں گواہی دے گا۔ یہ صحیح ہے وہ اس سے مراد بھی رسول انورؐ ہی ہیں، واضح آیت ملاحظہ ہو:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء: ۴۱)

سوچو اس وقت یہ لوگ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمہیں گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔

یہ بات معلوم و معروف ہے کہ قیامت سے پہلے اس زمانہ میں بھی جناب رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ کے پیغمبر ہونے کی گواہی دی!

دنیا کو قصور وار ٹھہرائے گا گناہ کے بارے میں کہ وہ حضرت عیسیٰؑ پر ایمان نہیں لاتے

یہود حضرت مریم پر کیسے بہتان باندھتے ہیں (النساء: ۱۵۶)

. نعوذ باللہ حضرت مسیحؑ کو نبی ماننا تو الگ رہا ان کے کامل انسان ہونے تک کے

قائل نہیں بلکہ "بدروحوں کا سردار" (متی ۱۲: ۲۴) اور "دھوکہ باز" (متی ۲۷: ۶۳) اور "کفر بکنے والا" (متی ۲۶: ۶۵) وغیرہ جیسی ناشائستہ تہمتیں آپ پر لگاتے تھے اور کفر و فساد اور انکار میں اس طرح افراط کرتے تھے لیکن ان کے برخلاف مسیحی تھے جو عظمت و تکریم میں اس طرح افراط کرتے تھے کہ نعوذ باللہ بندہ کو آقا، خادم کو سردار، مخلوق کو خالق اور انسان کو ابن اللہ اور پھر اللہ کی حاکمیت میں شریک اور ملکوتِ الٰہی کا پورا حقدار جس کو کفارہ کی صورت میں خطاؤں کو بخشنے اور ہر اس چیز پر قدرتِ کاملہ ہو جو خدائے وحدہٗ کے تصرف میں ہے۔ یہ عقیدہ صرف عقلی طور پر ہی ہذیان نہیں بلکہ ہر دینی اور فطری تقاضے کے خلاف ہے قرآنِ پاک نے اس سلسلہ میں حضرت مسیح کی پوزیشن صاف کی اور کئی کلی اصول بنائے۔

حاکمیت خدا کی ہے

پہلا اصول تو یہ ہے کہ حاکمیت صرف خدا کی ہے:

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (اعراف: ۵۴)

خبردار ہو جاؤ اسی کی مخلوق ہے یعنی وہی ان کو پیدا کرتا ہے اور (اس لیے) اسی کی حکومت و اقتدار ہے۔

قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ (المومنون: ۸۸)

کہو بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کے قبضہ میں ہے اور کون ہے وہ جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

اور ہر مسلمان کے لیے ایک مسلم و مقرر قاعدۂ بندگی ہے۔

وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ۔ (الروم: ۲۶)

اس کے بندے ہیں سب جو آسمانوں میں ہیں یا زمین میں سب اسکے تابع فرمان ہیں۔

کفارہ نہیں، ہر شخص خود ذمہ دار

۲:۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ اپنے اعمال کا ذمہ دار خود انسان ہے اور دوسرا کوئی اس کا کفارہ ادا کر ہی نہیں سکتا۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى	کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا
وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى	بوجھ نہیں اٹھائے گا اور انسان کو اسکی
(النجم: ۳۸-۳۹)	سعی یعنی کوشش و عمل ہی کا بدلہ ملے گا۔

مقرب بندے

۳:۔ تیسرا اصول یہ کہ خدا یکتا ہے کوئی اس کی آل اولاد نہیں، کوئی شریک و ہمسر نہیں، سب اس کے تابع فرمان بندے ہیں، فرشتے مقرب و مکرم بندے ہیں اسی طرح انبیاء و صالحین بھی لیکن ان میں سے کوئی بھی خدائی کی صفات و اختیار کا حامل نہیں، سب خوفِ خدا سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا	اور کہتے ہیں رحمان اولاد رکھتا ہے،
سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ	سبحان اللہ بلکہ (فرشتے تو) بندے ہیں مکرم
لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ	ومعزز اس کے حضور بڑھ کر نہیں بولتے
بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ يَعْلَمُ مَا	اور اس کے حکم پر عمل پیرا رہتے ہیں جو کچھ
بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ	ان کے سامنے ہے یا ان سے اوجھل ہے
وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى	وہ سب جانتا ہے، وہ کسی کی سفارش
وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ	نہیں کرتے بجز اس کے جس کی سفارش
وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ	پر وہ راضی ہو یعنی اجازت دے اور وہ
مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ	اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں اور
جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ	جو کوئی بھی ان میں سے کہہ دے کہ اللہ کے
(الانبیاء: ۲۶-۲۸)	

سوا میں بھی ایک خدا ہوں تو اسے ہم
جہنم کی سزا دیں، ہم ظالموں کو یہی بدلہ
دیتے ہیں۔

قرآن پاک کے ذریعہ جناب رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین اہم اصول بیان کرکے حضرت مسیحؑ کی پوزیشن بالکل صاف کر دی۔ نہ ان کی الوہیت باقی رہی نہ فداکاری کی ضرورت اور نہ نبوت و اقانیم ثلاثہ کا چکر۔ ان تینوں متفرق اصولوں کو حضرت مسیحؑ کے سلسلہ میں اس طرح ایک آیت میں یکجا کیا گیا ہے جو بڑی جامع ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ	اے اہل کتاب (مراد مسیحی ہیں) اپنے دین
دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ	میں غلو نہ کرو یعنی حد سے تجاوز نہ کرو اور
اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ	اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب
مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ	نہ کرو، بیشک مسیح ابن مریم اس کے سوا
اَلْقٰىهَآ اِلٰي مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ	کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۻ وَلَا	ایک کلمہ یعنی حکم و فرمان تھا جو اللہ نے
تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَھُوْا	مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ
خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ	کی طرف سے پس تم اللہ اور اس کے
وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ	رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ تین ہیں
لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ	باز آجاؤ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اللہ تو
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ	بس ایک ہی ہے وہ پاک ہے اس سے
وَكِيْلًا ۝ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ	کہ کوئی اس کا بیٹا ہو، آسمانوں اور زمین

أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ وَلَا
الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَن
يَسْتَنكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ
فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا۔
(النساء: ۱۷۱-۱۷۲)

کی ساری چیزیں اس کی ملک ہیں اور
ان کی کفالت و خبر گیری کے لیے بس وہی
کافی ہے، مسیحؑ نے کبھی اس بات کو عار نہ سمجھا
کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور نہ مقرب ترین
فرشتے (بندگی کو) اپنے لیے عار سمجھتے، اگر
کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے
اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب
وہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کریگا۔

قرآن نے اس طرح مسیحؑ کے لاہوتی و ناسوتی حالات پر جو جھگڑے تھے ان کا دروازہ بند کیا اور رسول اور کامل بندہ ثابت کیا، دوسری طرف آپ پر سے اس غبار کو دور کیا کہ آپ ذلت و مسکنت کے ساتھ سولی پر چڑھے بلکہ یہ بتایا کہ آپ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى
ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا
قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن
شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا
فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُم بِهِ
مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا
قَتَلُوهُ يَقِينًا بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ
إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا۔
(النساء: ۱۵۷-۱۵۸)

اور ان کے اس قول کی وجہ سے بھی ان پر
لعنت و ملامت ہے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو
قتل کر دیا ہے، حالانکہ فی الواقع انہوں نے
نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ
معاملہ ان پر مشتبہ کر دیا گیا اور جن لوگوں
نے ان کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ
بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں، انہیں
اس معاملہ کا کوئی علم نہیں محض گمان کی
پیروی ہے، انہوں نے اس کو یقیناً
قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف
اٹھا لیا، اللہ زبردست طاقت رکھنے
والا اور حکیم ہے۔

مسیح کی الوہیت کا دعویٰ یہود و نصاریٰ کا افترا

اور عیسیٰ پر یہود نے جو ظلم کیا اور آپ کو مجرم ٹھہرایا کہ آپ نے الوہیت کا دعویٰ کیا یہ سراسر بے بنیاد اور غلط ہے، قرآن پاک نے صاف صاف موقف اختیار کیا اور دعویٰ کیا کہ دعوائے الوہیت کا یہ جرم جو یہود نے نفرت میں اور نصاریٰ نے محبت میں حضرت عیسیٰ پر لگایا ہے آپ اس سے بالکل بری ہیں۔ قرآن مجید نے کس طرح دلکش اور ادیبانہ تصویر کھینچی ہے ملاحظہ ہو:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ
مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ
اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن
دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا
يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ
لِي بِحَقٍّ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ
عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي
وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ
أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ مَا قُلْتُ
لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا

جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم
کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا
مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو ——
تو وہ خود جواب میں عرض کرے گا
سبحان اللہ میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات
کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا، اگر
میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو
ضرور علم ہوگا، آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے
دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ
آپ کے دل میں ہے آپ تو ساری پوشید

اللہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ۔
(المائدہ: ۱۱۶-۱۱۷)

حقیقتوں کے عالم ہیں۔ میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا، یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب۔

نیز رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کا حال اس طرح ظاہر کیا کہ ان کو برگزیدہ انبیاء کی صف میں کھڑا کیا۔ خدا کی قربت اور دنیا و آخرت کی وجاہت کا اعلان اس طرح کیا:

اِسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ
وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ
فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ
(آل عمران: ۴۵-۴۶)

اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا، مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا اور وہ صالح بندوں میں سے ہوگا۔

اور ان وضاحتوں کے بعد سرورِ کائنات نے حضرت عیسیٰؑ پر سے الزامات دور کیے اور دنیا کو قصوروار ٹھہرایا۔

حق کی تفصیل قرآن کی روشنی میں

۴: "روحِ حق" کے آنے سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی صفات ہے، قرآن پاک میں اس کی بے شمار تصریحات موجود ہیں جن کا تفصیلی ذکر یہاں فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا
وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ

ہم نے تم کو حق (بات) کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور

الْجَحِيْمِ (بقرہ: ۱۱۹)

اہل دوزخ کے تم جواب دہ اور ذمہ دار نہیں ہو۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ
بِالْحَقِّ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ
(بقرہ: ۲۵۲)

یہ اللہ کی آیات ہیں جنھیں ہم تمھیں حق کے ساتھ یعنی سچ اور ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں اور تم یقیناً رسولوں میں سے ہو۔

تم پر نازل کردہ کتاب کتبِ سابقہ کی تصدیق کرتی ہے۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۔
(آل عمران: ۳)

اس نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو حق لیکر آئی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کررہی ہے جو پہلے سے آئی ہوئی تھیں۔

اس کتابِ حق کی غایت یہ ہے کہ اس کے قانون پر حکومت کی جائے اور اسی کی روشنی میں عدالت کے فیصلے کیے جائیں:

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ
اللّٰهُ (نساء: ۱۰۵)

ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔

نبی برحق پر روح القدس کے ذریعہ قرآن ہدایت و بشارت و شجاعت پیدا کرنے کے لیے ارسال کیا گیا ہے:

قُلْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ
مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ

ان سے کہو! (قرآن کو) تو روح القدس نے تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ۔ (نحل : ۱۰۲)

بتدریج نازل کیا، تاکہ ایمان والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور ہدایت و بشارت ہے فرمانبرداروں کے لیے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰہُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۔ (الاسراء : ۱۰۵)

حق کے ساتھ ہم نے (قرآن کو) نازل کیا اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے اور تمہیں ہم نے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

آپ کی آمد کو حقانیت و صداقت کی اور حق کی دلیل بتایا گیا ہے:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا ۔ (اسراء : ۸۱)

اور اعلان کردو کہ حق آگیا اور باطل کی روح نکل گئی یعنی مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔

حق کے آنے اور اس میں کسی قسم کا شک نہ کرنے اور مومن اہل کتاب سے اس کے بارے میں پوچھنے کا تذکرہ اس طرح ہے:

فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ فَسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکَ لَقَدْ جَآءَکَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۔ (یونس : ۹۴)

اگر تجھے اس (ہدایت) کی طرف سے کچھ بھی شک ہو جو ہم نے تجھ پر نازل کی ہے، تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو پہلے سے کتاب پڑھ رہے ہیں فی الواقع تیرے پاس حق ہی آیا ہے لہذا تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

ساری انسانیت کے لیے رسول برحق پر آئینۂ حق نازل ہونے اور ہدایت کی دعوت اس طرح دی گئی ہے یہاں حق سے مراد رسول برحق اور کتاب برحق دونوں ہی ہو سکتے ہیں۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْھَا وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ (یونس : ۱۰۸)

کہہ دو کہ لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا ہے اب جو سیدھی راہ اختیار کرے اس کی راست روی اس کے لیے مفید ہے اور جو گمراہ رہے اس کی گمراہی اسی کے لیے تباہ کن ہے اور میں تمہارے اوپر کوئی حوالدار نہیں ہوں۔

سورۂ زمر (۴۱) میں بھی یہ بات کہی گئی ہے اَنَا عَلَیْکُمْ کی جگہ اَنْتَ عَلَیْھِمْ ہے

آیات الٰہی کو عین حق اس طرح کہا گیا ہے:

الٓمّٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ (الرعد : ۱)

المر۔ یہ کتاب الٰہی کی آیات ہیں اور جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا وہ عین حق ہے مگر اکثر لوگ مان نہیں رہے ہیں۔

رسولؐ کو خاکم بدہن گستاخ مجنون کہنے والوں کا جواب اس طرح دیا گیا ہے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِہٖ جِنَّۃٌ بَلْ جَآءَھُمْ بِالْحَقِّ وَاَکْثَرُھُمْ لِلْحَقِّ کٰرِھُوْنَ (المومنون : ۷۰)

کیا کہتے ہیں کہ وہ مجنون ہے؛ نہیں، بلکہ وہ حق لایا ہے اور حق ہی ان کی اکثریت کو ناگوار ہے۔

نبیؐ حق کو صریح حق پر ہونے، خدا پر بھروسہ کرنے اور کتاب رحمت و ہدایت کی خبر

اس طرح دی گئی۔

وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ
اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ
(النمل : ۷۷-۷۹)

اور یہ (قرآن) ہدایت و رحمت ہے مومنوں کے لیے یقیناً تیرا رب ان لوگوں کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کر دیگا وہ غالب اور سب جاننے والا ہے پس اللہ پر بھروسہ رکھو یقیناً تم صریح حق پر ہو۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب گھڑنے کا الزام لگانے والوں کا پردہ اس طرح فاش کیا گیا

الٓمّٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ
مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ
لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ
مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ
(السجدۃ : ۱-۳)

الم یہ کتاب بلاشبہ رب العالمین کی طرف سے نازل کی گئی ہے کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ نہیں، بلکہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تاکہ تو متنبہ کرے ایک ایسی قوم کو جس کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا شاید کہ وہ ہدایت پا جائیں۔

رسول برحق ارسال کرنے کا تذکرہ سورۂ فاطر میں اس طرح ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ
نَذِيْرًا وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا
خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر : ۲۴)

ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ
هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ
(فاطر : ۳۱)

جو کتاب ہم نے تمہاری طرف وحی کی ہے۔ وہی حق ہے تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے آئی تھیں بیشک اللہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر اور ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

حق پر آنے اور رسولوں کی تصدیق کرنے کا تذکرہ یوں ہے:

وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا
لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ
وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ۔
(الصافات : ۳۶)

وہ کہتے ہیں، کیا ایک شاعر مجنون کی خاطر ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں، حالانکہ وہ حق لے کر آیا اور رسولوں کی تصدیق کی۔

خدا کی طرف سے کتاب حق کے نزول کے بعد مخلصانہ بندگی کیے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ
الْحَكِيْمِ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ
الدِّيْنَ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ
(زمر : ۱-۳)

اس کتاب کا نزول زبردست اور دانا کی طرف سے ہے یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف برحق نازل کی ہے، لہٰذا تم اللہ ہی کی بندگی کرو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے خبردار! دین خالص اللہ کا حق ہے۔

سورۂ شوریٰ (۱۶) میں بتایا گیا ہے کہ اللہ ہی نے کتاب حق کے ساتھ نازل کی اور میزان یعنی ترازو بھی نازل کیا جس سے مراد اللہ کی شریعت ہے جو ترازو کی طرح تول کر صحیح اور غلط

حق اور باطل، ظلم اور عدل، راستی اور ناراستی اور ایمان و کفر کا فرق واضح کر دیتی ہے۔

سورۂ جاثیہ (۶) میں بھی آیاتِ الٰہی کو حق بتایا گیا ہے اور کفار کے موقف پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے کہ آخر یہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد اور کون سی بات ہے جس پر ایمان لا سکتے ہیں۔

اس کتابِ حق ترجمان کو سن کر جنوں نے اپنی قوم سے کہا تھا۔

إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ (الاحقاف: ۳۰)

ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے تصدیق کرتی ہے اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق اور راہِ راست کی طرف۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب حق پر ایمان و عمل کی دعوت یوں دی گئی ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ (محمد: ۲)

اور جو لوگ ایمان لائے، نیک عمل کیے اور اس چیز کو مان لیا جو محمدؐ پر نازل ہوئی ہے جو ان کے رب کی طرف سے سراسر حق ہے اللہ نے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کا حال درست کر دیا۔

رسولِ پاک کو دینِ حق و ہدایت اس لیے دیا گیا ہے کہ دنیا میں اسے پھیلا دیں۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا (الفتح: ۲۸)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کرے اور حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔

یہی آیت سورۂ الصف (۹) میں بیان کی گئی ہے اور کفی باللہ شہیدا کی جگہ فرمایا گیا ہے: "ولو کرہ المشرکون" یعنی دین کو غالب کرنا ہی فرض ہے۔ خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار گذرے سورۂ توبہ (۳۳) میں بھی یہ آیت سورۂ صف ہی کے الفاظ میں وارد ہوئی۔

جو حق کا علم اور حق کا عَلَم (پرچم) ہو، قدیم کتب حق کی تصدیق کرنے والا ہو جس کی کتاب حق، حق و صداقت کے لیے فرقان ہو، جس کی نبوت حقانیت کی دعویدار ہو، جس کا لایا ہوا دین حق کا ترجمان ہو، جو اہلِ کتاب سے یہ کہتا ہو کہ دین میں غلو نہ کرو اور خدا کی طرف حق کے سوا کچھ منسوب نہ کرو، جسے حق تمام انسانوں تک پہنچانے کی دعوت کا ذمہ دار بنایا گیا ہو، جس حق کے آجانے سے باطل کی حجت بے دلیل ہو جائے۔ اگر وہ روح حق نہیں ہے تو پھر کون حضرت عیسیٰؑ کی پیشینگوئی کا روحِ حق ہوگا، اس سب کی روشنی میں ایک بار پھر بشارت عیسوی کا یہ حصہ پڑھ لیں۔

"مجھے تم سے اور بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا"

سچائی اور ہدایت کی راہ

تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، قرآن پاک کا ارشاد ہے:

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (الزمر: ۳۳)

اور وہ شخص جو سچائی لے کر آیا اور جنھوں نے اس کو سچ مانا وہی عذاب سے بچنے والے ہیں

دوسری جگہ اہل کتاب سے مخاطب ہو کر کہا:

وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ (بقرہ: ۹۱)

اس دائرہ سے باہر (یعنی انبیاء بنی اسرائیل کے سوا) جو کچھ آیا اسے ماننے سے وہ انکار

کرتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اور اس کی
تصدیق و تائید کر رہا ہے جو ان کے پاس
پہلے سے موجود تھا۔

بائبل کے عربی ترجمہ میں سچائی کی راہ کے بدلے "جمیع الحق" کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہے پورے حق سے آگاہ کرے گا، حق اور سچائی ہم معنی الفاظ ہیں، حق کے سلسلہ کی آیتیں اوپر گزر چکی ہیں پورے حق یا سچائی سے مراد کامل و مکمل لائحہ عمل اور قانون ہے جس کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا
لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً
وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔
(نحل: ۸۹)

ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو
ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے
والی ہے اور ہدایت و رحمت و بشارت
ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے تابعداری
قبول کر لی ہے۔

ہر بیماری کا علاج، ہر مشکل کا حل

ہر چیز کی وضاحت، ہر متن کی تشریح، ہر مشکل کا حل، ہر اعتراض کا جواب، ہر تاریکی کے لیے روشنی، ہر زخم کے لیے مرہم، ہر بیماری کے لیے دوا، ہر ناسور کے لیے علاج، ہر بھٹکے ہوئے کے لیے نشانِ منزل اور ہر انسان کا آخری مطمحِ نظر، آخری تمنا اور آخری سہارا یہی دین ہے جس میں جامعیت و کاملیت و ابدیت کی شان جلوہ گر ہے اور جس کو قیامت تک انسانیت کا دین اس طرح بنا دیا گیا ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے
لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر

دِيْنًا۔ (المائدہ: ۳)

تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو
تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

اور جس کے متعلق حضرت مسیحؑ کا ارشاد ہے۔

"میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک وہ تمہارے ساتھ رہے" (یوحنا: ۱۴: ۱۶)

اور یہی کمالِ دین کی پہچان اور ختمِ نبوت کی دلیل ہے کہ ابد تک اس کی شریعت باقی اور نافذ رہے گی، ارشادِ الٰہی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ
رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ
وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب: ۴۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے
باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول
اور خاتم النبیین ہیں۔

اس لیے ابد تک اسی سردار (سرور کائناتؐ) کی پیروی میں انسانیت کی فلاح ہے اور اس کے لائے ہوئے مکمل شدہ دین اسلام ہی میں انسانیت کے لیے دنیا و آخرت کی کامرانی و سعادت ہے اور اب قیامت تک جو دین یا ازم یا فلسفہ اس آخری دین کی ہدایت کو قبول نہ کرے گا وہ جہان میں نقصان اٹھائے گا۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا
فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔
(آل عمران: ۸۵)

اس اسلام (فرمانبرداری کی راہ) کے
سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا
چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز مقبول نہ ہوگا
اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔

روح القدس مراد نہیں ہو سکتے

یہودی تو حضرت مسیحؑ کو نبی ہی نہیں مانتے اس لیے اس پیشین گوئی

گویا حضرت عیسیٰؑ کی کسی بھی پیشین گوئی کو وہ کذب و افتراء، بدروحوں کی جعل سازی وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

مسیحی حضرات اس قسم کی تمام پیشین گوئی کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ ان سے مراد روح القدس یعنی فرشتۂ الٰہی جبرئیل ہیں لیکن یہ تاویل اس لیے درست نہیں کہ روح القدس تو حضرت مسیحؑ کے آنے سے بھی پہلے سے موجود تھا بلکہ حضرت مریم کے پاس اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰؑ کی روح کو لے کر آیا تھا اور بائبل کے تمام حوالوں سے اور ادیانِ عالم کی تاریخ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ روح القدس انسانوں کے وجود سے پہلے سے فرشتگانِ الٰہی کے ساتھ تھا، پیشین گوئی میں وضاحت ہے کہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہیں آئے گا حالانکہ روح القدس ہر ہر موقع پر مسیح کے ساتھ تھا، دوم یہ کہ روح القدس نے دنیا میں آکر انسانوں سے مل کر نہ تو سچائی کی راہ دکھائی اور نہ مسیح علیہ السلام پر تہمتوں کی صفائی پیش کی، یہ ضرور ہے کہ جو کتاب حق خدا نے نبی برحق پر اتاری وہ روح القدس کے ذریعے اتاری لیکن اس حق کی تعلیم، تبلیغ نبیؐ ہی نے دی، توحید کے ذریعے خدا کا جلال ظاہر کیا وغیرہ۔

حضرت عیسیٰ بھی مراد نہیں ہو سکتے یہ بات بالکل واضح ہے، زندگی میں وہ حضرت موسیٰ کی شریعت کے ماتحت تھے اور دوبارہ جب آئیں گے تو شریعت محمدیؐ کے تابع ہوں گے نیز حضرت عیسیٰؑ کے بعد اب تک کوئی ان صفات کا نبی بھی نہیں آیا جو بشاراتِ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کا مصداق کہلائے۔

اس لیے عقل و بصیرت، تاریخِ ادیان اور سلامت روی کا تقاضا یہی ہے کہ اس سورج سے زیادہ روشن حقیقت کو انسانیت مان لے کہ وہ آنے والا نبیوں کا سردار

خاتم النبیین خدا کا برگزیدہ بندہ، گواہ، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، خیر اور نیکی کی تمام قدروں کو نشر کرنے والا، سراج منیر محمدؐ امی فداہ ابی و امی ہی ہے جس کے ذریعہ دین مکمل ہوا، نعمت تمام ہوئی اور قیامت تک خدا کی رضامندی کا ضامن اسلام بن گیا۔

زبان حق کا ترجمان وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ وہ جو کچھ سنے گا وہی کہے گا، اس نبی آخر الزماں کی پہچان حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توراۃ میں بھی اسی وصف کے ساتھ بتائی ہے اور قرآن نے بھی حضور کا یہی وصف بتایا ہے:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى	تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ	وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا
اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم: ۲-۴)	یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

قرآنِ پاک کی بے شمار آیتیں واضح طور پر یہ بتاتی ہیں کہ وہ احکامِ الٰہی و مواعظ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نطقِ مبارک سے ساری عمر جاری رہے وہ یا تو قرآن پاک کے کلماتِ حق تھے جو وحی متلو کی شکل میں نازل ہوئے یا وہ وحی غیر متلو تھی جو حکمت و بصیرت کی حامل تھی اور سنت پاک کے ذریعہ ظاہر ہوئی اور اس طرح آپ کی زبان مبارک لسان حق کی ترجمان تھی اور آپ کی تعلیمات سب کی سب حق تعالیٰ شانہٗ کی بیان کی ہوئی تعلیمات ہیں، چند آیتیں نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہوں:

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ	تمہارے رب کی طرف سے جو وحی آئی ہے
كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ	اسے جوں کا توں سنا دو کوئی اس کے
(الکہف: ۲۷)	زمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (شوریٰ: ۷)

اسی طرح ہم نے تم پر یہ قرآن عربی وحی کیا ہے تاکہ تم تمام بستیوں کے مرکز (شہر مکہ) اور اس کے گرد و پیش رہنے والوں کو خبردار کردو۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (شوریٰ: ۵۲)

اور اسی طرح اے نبی اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے (یعنی وحی کے طریقوں سے تم کو سرفراز کیا ہے)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (آل عمران: ۴۴)

یہ غیب کی باتیں ہیں جو ہم تم کو وحی کے ذریعہ بتا رہے ہیں۔

ان جیسی بے شمار آیتوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ مبشر اعظم جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد آئے گا اور جو کچھ خدا کے حکم سے سنے گا وہی بیان کرے گا اور اپنی خواہش نفس سے کچھ نہ کہے گا وہ رسول برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور نہیں۔ آپ کو خدا کی شریعت اور حکم کا ایک لفظ اور نقطہ بدلنے کا نہ اختیار ہے اور نہ آپ نے ایسا کیا، کفار قریش نے جب یہ کہا کہ کوئی مصالحت ہو جائے، تمہاری بعض باتیں ہم مان لیں اور بعض باتیں ہماری تم مان لو۔ قرآن میں معمولی سی تبدیلی گوارا کرلو اور قرآن کی ان واضح تعلیمات توحید میں کچھ تبدیلی کردو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف سے جو تفصیلی جواب عنایت فرمایا اس حقیقت کو پوری طرح آشکارا کرتا ہے کہ نبی برحق کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ کلام وحی کا سچا پیروکار اور حقیقی متبع ہو، اپنی طرف سے وہ کچھ کہنے، بڑھانے گھٹانے، چھپانے یا بدل دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ

(یونس: ۱۵-۱۷)

جب انہیں ہماری صاف صاف باتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں سے کچھ ترمیم و تبدیلی کردو، ان سے کہو میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کرلوں، میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے، کہو اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی تو میں یہ قرآن کبھی نہیں سناتا اور تمہیں اسکی خبر تک نہ دیتا، آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گذار چکا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے، پھر اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا جو ایک جھوٹی بات گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی واقعی آیات کو جھوٹا قرار دے، یقیناً مجرم کبھی فلاح نہیں پاتے۔

واضح ہوگیا کہ بشارتِ موسوی اور بشارت انجیلی کا حقیقی مصداق خاتم النبیین والمرسلین ہی ہیں۔

(باقی)

علمائے اصول کے نزدیک صحابہ اور انکی روایات کا مقام

از ڈاکٹر محمد باقر خاں خاکوانی۔ ملتان

لفظ صحابہ کا مادہ صَحِبَ ہے، اس سے اسم فاعل صاحب بنتا ہے جس سے مراد ساتھی، ہم نشیں، دوست وغیرہ ہیں[1]۔ لفظ صحابہ کی اسی مادہ سے دو حیثیتیں ہیں۔ یہ صاد کی زبر کے ساتھ مصدر بھی بنتا ہے اور یہ فعالہ کے وزن پر صاحب کی جمع بھی ہے اور یہ صرف لفظ صاحب کی امتیازی خصوصیت ہے کہ اس سے اس وزن پر جمع کا صیغہ آتا ہے جب کہ اس وزن سے کسی اور لفظ کی جمع نہیں بنتی۔ صاحب کی جمع صحب جیسے راکب کی جمع رکب بھی متداول ہے اور اس کی جمع اصحاب بھی ہے، لیکن اس کی جو جمع اکثر مستعمل ہے وہ صحابہ ہے[2]۔

صاحب اس کو کہتے ہیں جو کسی کے ساتھ وابستہ رہے چاہے وہ انسان ہو، حیوان ہو، مکان ہو یا زمانہ ہو اور عرف عام میں صاحب اس کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی کے ساتھ زیادہ رہے[3]۔

صحابی کی اصطلاحی تعریف علم اصول کی اصطلاح میں صحابی کی تعریف کے بارے میں دو آراء متداول ہیں۔

۱۔ پہلی رائے جمہور کی ہے جنھوں نے صحابی کی وہی تعریف قبول کی ہے جو محدثین کے ہاں مروج ہے۔

۲۔ دوسری رائے احناف کی اور چند دیگر علمائے کرام کی ہے۔

۱۔ جمہور کی تعریف کو مشہور اصولی ابن حاجب نے اس طرح بیان کیا ہے:

الصحابی من رای الرسول علیہ الصلاۃ والسلام وان لم یرو ولم تطل[4]

صحابی وہ ہے جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو چاہے ان سے کوئی حدیث روایت نہ کی ہو اور نہ ہی ایک طویل مدت تک ان کے ساتھ رہا ہو۔

اس تعریف کو اگر قبول کر لیا جائے تو اس صورت میں صحابیت کی بنیاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا قرار پائے گی اور اس طرح سے وہ صحابہ جو نابینا تھے، مثلاً ابن ام مکتوم وغیرہ صحابی شمار نہیں ہوں گے۔ مزید یہ کہ اس تعریف میں اس امر کو بھی مخصوص نہیں کیا گیا کہ دیکھنے والا مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ اس لحاظ سے یہ تعریف جامع قرار دی جا سکتی ہے اور نہ ہی مانع۔
لیکن جمہور کے اسی نقطۂ نظر کو مشہور حنبلی اصولی ابن نجار فتوحی نے اس انداز میں پیش کیا ہے:

الصحابی من لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صغیر او کبیر ذکراً وانثیٰ او خنثی او راٰہ یقظۃ فی حال کونہ صلی اللہ علیہ وسلم حیاً وفی حال کون الرای مسلماً ولو ارتد بعد ذلک ولم یرہ بعد اسلامہ ومات مسلماً[5]

صحابی ہر وہ شخص ہے جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صغر سنی میں یا بڑی عمر میں ملاقات کا شرف حاصل کیا ہو چاہے وہ مرد ہو، عورت ہو یا مخنث ہو یا اسے بیداری کی حالت میں (خواب میں نہیں) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی حیات مبارکہ میں دیکھا ہو، مزید یہ کہ دیکھنے والا یا ملاقات کرنے والا اس وقت مسلمان

ہو اور اس کی موت بھی حالتِ اسلام
میں آئی ہو چاہے وہ درمیانی مدت میں
مرتد ہی کیوں نہ ہو گیا ہو اور اس نے
دوبارہ اسلام لانے کے بعد آپ کو
نہ دیکھا ہو۔

ابن نجار کی اس تعریف کو جمہور علمائے اصول نے قبول کیا ہے۔ جمہور کی رائے میں شرفِ صحابیت کے لیے کسی شخص میں اگر ان دو شرائط، ۱۔ ملاقات، ۲۔ دیکھنا، میں سے کوئی ایک موجود ہے تو وہ صحابی کہلانے کا مستحق ہے اور اس امر کے لیے آپ کے ساتھ کچھ مدت رہنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ علم کا حصول، یا آپ کے ساتھ کسی مہم میں شرکت یا آپ سے چند احادیث کی روایت کرنا یا ان سے ملتی جلتی اور شرائط عائد نہیں کی جاسکتیں۔ ان کے نزدیک ایک بہت بڑے مجمع میں اگر کوئی شخص آپ کو ایک نظر دیکھ لے تو وہ صحابی ہے۔ جیسے نو ہجری میں جسے عام الوفود بھی کہتے ہیں، لاتعداد وفود نے آپ سے ملاقات کی اور کبھی ایک وفد کے بے شمار لوگ یا کئی وفود کے لوگ بیک وقت آپ سے ملاقات کرتے، اسلام قبول کرتے اور اپنی وفاداری کا یقین دلا کے واپس چلے جاتے، یہ تمام لوگ صحابی شمار ہوں گے۔ اسی طرح ۱۰ ہجری میں جب آپ نے فریضۂ حج ادا کیا اور اس موقع پر جن مسلمانوں نے آپ کو دور سے بھی ایک نظر دیکھ لیا تو وہ تمام لوگ صحابی شمار ہوں گے اور شرفِ صحابیت سے بھی بہرہ ور ہوں گے [6]

جمہور علمائے اصول کے نزدیک ان دو شرائط کے علاوہ کسی اور شرط کا اضافہ اس لیے مناسب نہیں کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طویل مدت رہنے کی شرط لگا دی جائے تو حضرت جریر بن عبداللہ البجلی صحابی شمار نہیں ہوں گے کیونکہ وہ آپ کے وصال سے چالیس

دن قبل اسلام لائے تھے اور ان کے صحابی ہونے پر اجماع ہے اور اگر آپ کے ساتھ غزوات میں شرکت کی شرط عائد کی جائے تو حضرت حسان بن ثابت کا صحابی رسول ہونا ثابت نہیں ہوتا جو السابقون الاولون میں سے ہیں اور اگر آپ سے روایتِ احادیث کی شرط قبول کی جائے تو آپ کے وفات کے وقت جو ایک لاکھ چودہ ہزار صحابی موجود تھے ان میں چند ہزار کو چھوڑ کر باقی تمام کی صحابیت سے انکار لازم آتا ہے جن میں بڑے جلیل القدر اصحاب مثلاً حمزہ بن عبدالمالک، معصب بن عمیر، خبیب اور عاصم بن الافاح وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اسلیے انکی رائے میں اس قسم کی تمام شرائط شرفِ صحابیت کے لیے مناسب نہیں [7]

جمہور کے نزدیک شرفِ صحابیت کے لیے بعض علماء کی طرف سے بلوغت کی شرط بھی قرینِ قیاس نہیں۔ ان کی رائے میں وہ بچے بھی صحابی شمار نہیں ہوں گے جن کے سر پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد طفولیت میں ہاتھ پھیرا، ان کا بوسہ لیا یا انہیں پیار کیا لیکن انہیں سنِ شعور میں پہنچنے کے بعد آپ کی شبیہ مبارک یاد نہ رہی۔ اس لیے اس میں کم از کم عمر کی حد یہ ہے کہ جس بچے کو آپ کی شکل اور آپ کا وہ عمل یاد رہے تو وہ صحابی شمار ہوگا، جیسے محمود بن ربیع جن کے گھر ایک مرتبہ آپ تشریف لے گئے اور ان کو پیار بھی کیا اور اپنے منہ کا پانی تبرکاً ان کے منہ میں بھی ڈالا، اس وقت ان کی عمر چار سال تھی اور انہیں آپ کی صورت اور یہ عمل یاد رہا، اس لیے انہیں صحابی شمار کیا جائے گا [8] اور اگر شرفِ صحابیت کے لیے بلوغ کی شرط عائد کی جائے تو جمہور کی رائے میں حضرت حسن، حسین، عبداللہ بن زبیر نعمان بن بشیر اور اس طرح کے دوسرے لوگ زمرۂ صحابہ میں شمار نہیں ہوتے [9]

۲۔ علمائے اصول میں سے دوسری رائے احناف، معتزلہ اور چند دیگر علماء کی ہے ان کے نزدیک صحابی کے لیے جمہور کی عائد کردہ شرائط کے علاوہ چند اور شرائط بھی ضروری

ہیں، ان کی رائے میں صحابی کی تعریف ہے:

الصحابي عند جمهور الأصوليين	صحابی وہ مسلمان ہے جس نے ایک مدت
مسلم طالت صحبته مع النبي	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت
صلی اللہ علیہ وسلم[۱۰]	میں گزاری ہو۔

ان علمائے اصول نے مدت کا تعین نہیں کیا لیکن ان کی رائے میں اس کا تعین عرف عام کے ذریعے کیا جائے گا یعنی جتنی مدت میں ایک شخص کسی اور کے ساتھ رہنے سے اس کے اخلاق عادات، تعلیمات وغیرہ سے آگاہ ہو جائے، وہ مدت شرف صحابیت کے لیے کافی ہے اور معتزلہ کے نزدیک یہ شرط بھی ہے کہ آپؐ کے ساتھ رہنے والا آپؐ سے کچھ علم سیکھنے کی غرض سے رہا ہو کیونکہ حصول علم کی غرض کے بغیر رہنے سے انسان کچھ سیکھتا نہیں لہذا اسے صحابی نہیں کہا جا سکتا۔[۱۱]

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ احناف جمہور کے نزدیک بیان کردہ صحابی کی تعریف قبول کرتے ہوئے ایک شرط کا اضافہ کرتے ہیں کہ شرعی امور میں ان صحابہ کی روایت قبول کی جائے گی جو ایک مدت تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہوں، اس لیے وہ راوی کی دو قسمیں معروف اور مجہول بیان کرتے ہیں۔[۱۲]

احناف کی رائے میں دینی امور کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لیے اس کی بنیاد ان صحابۂ کرام کی روایتوں پر رکھی جائے جنہوں نے کچھ مدت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہکر دین کا علم اور فہم حاصل کیا ہو، نیز آپ نے ان کو مختلف ذمہ داریاں سونپی ہوں اور انہوں نے ان کو نبھایا۔ وہ حضرت علیؓ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں جس میں انہوں نے صحابہ کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ مخلص مومن جو آپؐ کی صحبت میں رہا ہو، آپؐ کے کلام کو سمجھا ہو اور جو کچھ آپؐ نے اس کے سامنے بیان کیا اس کلام کے معنی سے آگاہ ہوا اور آپؐ کی مراد سے واقف ہو۔

۲۔ اعرابی (بدو) جو اپنے قبیلہ سے آیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا کچھ حصہ سنا مگر اس کی حقیقت کو نہ سمجھا پھر اپنے قبیلہ میں لوٹ گیا اور ان الفاظ میں حدیث روایت کی جو آپ کی زبان مبارک سے نہیں نکلے تھے۔ اس سے حدیث کے معنی بدل گئے۔ حالانکہ وہ یہ سمجھتا رہا کہ وہ آپؐ کے قول کو من وعن ادا کر رہا ہے۔

۳۔ وہ منافق جس کا نفاق ظاہر نہ ہو، وہ بغیر سنے حدیث روایت کرے اور آپؐ پر بہتان باندھے، اس سے لوگ وہ حدیث سنیں اور اس کو مومن مخلص سمجھیں اور وہ حدیث روایت لوگوں میں مشہور ہو جائے۔[۱۳]

احناف کی دوسری دلیل وہ ہے جس میں آئمہ صحابہ نے بھی بعض صحابہ کی روایات انکے صحبت نبی سے فیضیاب نہ ہونے کی وجہ سے رد کر دی تھیں، مثلاً حضرت عمرؓ سے فاطمہ بنت قیس کی حدیث[۱۴] اور حضرت علیؓ نے معقول بن سنان اعرابی کی حدیث کو رد کیا۔[۱۵]

ان وجوہ کے سبب احناف صحابی کی تعریف میں مذکورہ بالا شرائط کا اضافہ کرتے ہیں تاکہ دین کے معاملہ میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔[۱۶]

صحابی کی اصطلاحی تعریف پر بحث کے بعد علمائے اصول نے ان امور کی بھی صراحت کی ہے، جن کے باعث کسی شخص کو صحابی کہا جا سکتا ہے۔ ان میں اہم درج ذیل ہیں:

۱۔ جس شخص کے بارے میں تواتر سے معلوم ہو کہ وہ صحابی ہے مثلاً عشرۂ مبشرہ اور اس طرح کے دوسرے معروف صحابۂ کرام۔

۲۔ کسی شخص کا صحابی ہونا مشہور ہو اگرچہ تواتر کے درجہ تک نہ پہنچتا ہو مثلاً ضمام

بن ثعلبہ اور عکاشہ بن محصن وغیرہ۔

۳۔ کوئی مشہور صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی شہادت دے جیسے حممہ بن ابی حممہ کے صحابی ہونے کی شہادت ابوموسیٰ اشعری ؓ نے دی تھی۔

۴۔ کوئی عادل شخص ایسے زمانہ تک صحابی ہونے کا دعویٰ کرے جس میں صحابی ہونے کا امکان بھی ہو، علماء نے یہ زمانہ ۱۰۰ھ یا ۱۱۰ھ تک مقرر کیا ہے۔ اس لیے جعفر بن نسطور رومی متوفی ۲۲۰ھ اور رتن ہندی متوفی ۳۳۳ھ یا چھٹی صدی ہجری کے دعویٰ صحابیت کو علماء نے باتفاق رد کیا ہے۔[17]

پھر ان علماء کی رائے میں تمام صحابۂ کرام میں سے خلفائے راشدین بحسب ترتیب زمانی افضل ہیں، پھر باقی عشرۂ مبشرہ ان کے بعد اصحاب بدر کا مقام ہے پھر اصحاب احد کی فضیلت ثابت ہے اور ان کے بعد اہل بیعتِ رضوان کا درجہ ہے اور جمہور کے نزدیک السابقون الاولون سے مراد وہ اصحاب ہیں جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں دونوں قبلوں کی طرف منھ کرکے نماز ادا کی تھی۔[18]

سنت کی تعریف علمائے اصول نے اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ سنت کو قرار دیا اور صحابہ کے اس شرف اور عظمت اور دین میں ان کی سبقت کو مدنظر رکھتے ہوئے سنت کی تعریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقاریر کے علاوہ صحابۂ کرام کے اقوال و افعال کو بھی شامل کیا ہے، جیسے ملاجیون رقمطراز ہیں:

السنۃ تطلق علی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفعلہ و سکوتہ وعلی اقوال الصحابۃ

سنت کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل تقریر اور صحابہ کے اقوال و افعال پر ہوتا ہے، لیکن

وافعالہم والحدیث یطلق علی قول الرسول خاصۃ[19]

لفظ حدیث کا اطلاق خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر ہوتا ہے۔

علمائے اصول کے مابین صحابہ کے قول، فعل اور تقریر کے سنت شمار ہونے کے بارے میں تین آراء پائی جاتی ہیں۔

۱۔ شافعیہ کے نزدیک صحابہ کا قول سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہے حالانکہ وہ اس کو سنت کی تعریف میں بیان نہیں کرتے لیکن وہ صحابی کے فعل اور تقریر کو نہیں بلکہ صرف قول کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جز سمجھتے ہیں۔[20]

۲۔ اور احناف علمائے اصول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل و تقریر کے علاوہ صحابہ کے اقوال و افعال کو بھی سنت قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ اسلاف کا طریقہ تھا کہ وہ لفظ سنت کا اطلاق طریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابوبکر ؓ و عمر ؓ کے طریقوں پر بھی کرتے تھے اور وہ بیعت ان شیخین کے طریقہ پر لیتے تھے۔[21]

۳۔ مالکیہ میں سے ابواسحٰق شاطبی اور بعض دیگر علمائے اصول کی رائے میں صحابہ کا قول، فعل اور تقریر سنت میں شامل ہے اور صحابہ کے عمل سے مراد ان کے وہ اعمال ہیں جن کی موافقت یا مخالفت کے بارے میں قرآن یا حدیث میں کوئی دلیل نہیں ملتی اس پر بھی عمل کیا جائے گا اور مختلف فیہ معاملات میں ان کی طرف رجوع کیا جائے گا، کیونکہ صحابہ کرام ہر معاملہ میں سنت کی پیروی کرنے والے تھے۔ جیسے حد شرب کے معاملہ میں، مصحف قرآنی کے جمع کرنے کے معاملے میں اور تمام مسلمانوں کو قریش کی قرائت پر جمع کرنے پر اور اس طرح کے کئی اور امور میں ان کی پیروی ہمارے لیے لازم ہے۔ کیونکہ اس کے دلائل ہمیں قرآن اور حدیث دونوں سے ملتے ہیں۔[22] جیسے صحابہ کرام کی عدالت کے

بارے میں قرآن مجید کی یہ آیات شہادت دے رہی ہیں۔

کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۔[۲۳]	بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے نکالا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو۔
وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ ۔[۲۴]	اور ہم نے تم مسلمانوں کو ایک "امت وسط" بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو۔

اور یہی صحابہ کرام تھے جنھوں نے سب سے پہلے آپ سے علم دین حاصل کیا، وہ اسلام میں سب سے پہلے داخل ہوئے اس لیے اہل سنت نے اتفاق رائے سے صحابہ کو عادل ٹھہرایا اور ان سے روایت اور درایت دونوں قبول کیں۔ مزید یہ کہ حدیث میں ان کی اتباع کا حکم آیا ہے اور صحابہ کی سنت پر عمل کرنے کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کے مترادف قرار دیا ہے، جیسا آپ نے فرمایا۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین ۔[۲۵]	تم پر لازم ہے کہ میری سنت کو اختیار کرو اور خلفائے راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، ان کی سنت کو اختیار کرو۔
اصحابی مثل الملح لا یصلح الطعام الا بہ ۔[۲۶]	میرے صحابہ کی مثال نمک کی سی ہے جس کے بغیر کھانا ٹھیک نہیں ہوتا۔
ان اللہ اختار اصحابا فجعل لی منھم وزرا وانصارا واصہارا[۲۷]	اللہ تعالیٰ نے میرے اصحاب کو چن لیا ہے اور ان میں سے میرے لیے وزرا، مددگار اور سسرال بنائے ہیں۔

اس لیے ابو اسحاق شاطبی کے نزدیک لفظ سنت کا اطلاق درج ذیل چار مقامات پر ہوتا ہے۔

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر ۲۔ آپ کے افعال پر ۳۔ آپ کی تقاریر پر ۴۔ خلفائے راشدین اور صحابہ کے قول، فعل اور تقریر پر[۲۸]

اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سنت کے معنی میں وسعت ہے اور اسلامی شریعت در صحابہ کے اجتہاد، اجماع، قیاس، فیصلہ جات اور احکام کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اس لیے علمائے اصول کے نزدیک سنت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحاب کے افعال، اقوال اور تقاریر شامل ہوں گے۔

عدالتِ صحابہ | علمائے اصول نے روایت حدیث میں صحابہ کا مقام مزید واضح کرنے کے لیے حدیث کے راویوں کو دو اقسام صحابی راوی اور غیر صحابی راوی میں تقسیم کیا ہے۔[۲۹] علما کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جرح و تعدیل کے تمام اصول غیر صحابی راوی کے لیے ہیں۔ جہاں تک صحابۂ کرام کا تعلق ہے تو ان کی عدالت کے بارے میں چار آرا پائی جاتی ہیں۔

۱۔ ابن حزم ظاہری کی رائے میں صحابۂ کرام عام انسانوں کی مانند ہیں۔ ان میں عادل بھی ہیں اور غیر عادل بھی ہیں۔ اس لیے ان کا تزکیہ ضروری ہے اور جو صحابی تزکیہ کے بعد عادل ثابت ہوں ان کی روایت قبول کی جائے گی اور باقی تمام کی رد کر دی جائیں گی۔ ان کی رائے میں دور نبویؐ میں بھی لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرتے تھے۔ اس لیے ان کا تزکیہ ضروری ہے، مثلاً ایک آدمی مدینہ کے قریب ایک بستی میں گیا اور بستی والوں سے کہا کہ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے بھیجا ہے

کہ بستی والے میرا نکاح فلاں عورت سے کر دیں۔ اس پر بستی والوں نے اپنا نمائندہ آپ سے استفسار کے لیے بھیجا تو آپ نے اس امر سے انکار کیا اور ایک آدمی کو اس کے قتل کے لیے روانہ کیا لیکن وہ شخص پہلے ہی مر چکا تھا۔[۲۹]

اسی طرح دور نبویؐ میں بے شمار لوگ منافق تھے اور ان میں سے اکثر کا نفاق ان کی موت تک چھپا رہا۔ مزید آپ کے دور میں بھی کچھ صحابہ مرتد ہوئے مثلاً عیینہ بن حصین، اشعث بن قیس، عبد اللہ بن ابی سرح وغیرہ اور انہیں کے بارے میں قرآن میں بھی وارد ہے۔

ومن حولکم من الاعراب منافقون ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق۔

اور تمہارے اردگرد جو اعراب ہیں ان میں سے بعض منافق ہیں اور مدینہ والوں میں سے بھی نفاق پر اڑے بیٹھے ہیں۔

ان دلائل کی بنیاد پر ان کے نزدیک صحابہ کا تزکیہ ضروری ہے اور وہ مطلقاً عدالت صحابہ کے قائل نہیں۔[۳۰]

۲- دوسری رائے خوارج اور انہیں کے ہم خیال چند دیگر فرقوں کی ہے کہ صحابہ کرام اس وقت عادل تھے جب تک فتنوں میں داخل نہیں ہوئے اور جب فتنوں کے دور کا آغاز ہوا تو اس وقت جو صحابہ زندہ تھے ان کی عدالت جاتی رہی لہٰذا ان کا تزکیہ از حد ضروری ہے بلکہ بعض کی روایات معتبر ہی نہیں۔

ان میں سے بعض کی رائے میں فتنے کا آغاز حضرت عثمانؓ کی شہادت سے ہوا اور اس فتنہ میں جو صحابہ شریک تھے یا جنھوں نے خاموشی اختیار کی تمام کی عدالت ختم ہوگئی کیونکہ حضرت عثمانؓ امام برحق تھے اور ان کے خلاف بغاوت کرنا یا بغاوت کو فروغ کرنا ایک فاسقانہ عمل ہے اور فسق منافی عدالت ہے۔[۳۱]

معتزلہ کی رائے میں جن لوگوں نے حضرت علیؓ کے خلاف قتال میں حصہ لیا اور پھر توبہ نہ کی ان کی عدالت جاتی رہی کیونکہ وہ امام برحق تھے اور امام کے خلاف بغاوت حرام ہے اس لیے ان کی رائے میں جنگ جمل میں شریک اصحاب جن میں معروف حضرت عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ ہیں اور جنگ صفین میں شریک صحابہ جن میں معروف حضرت معاویہؓ، مغیرہؓ بن شعبہ، عمروؓ بن العاص ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے صحابی عادل نہیں رہے۔[۳۲]

۳- جمہور کی رائے میں جہالت عدالت کا اطلاق صحابہ پر نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک تمام صحابہ باجماع امت عدول ہیں اور تمام کی روایات مقبول اور قابل حجت ہیں کیونکہ ان کی تعدیل اللہ تعالیٰ نے ان قرآنی آیات کے ذریعے کی ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔[۳۳]

اور وہ مہاجر و انصار جنھوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز جو بعد میں راست بازی کے ساتھ پیچھے آئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ[۳۴]

اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ[۳۵]

محمد اللہ کے رسول ہیں، جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔

ان جیسی بے شمار قرآنی آیات کے علاوہ متعدد احادیث نبویؐ سے بھی عدالت صحابہ کا

واضح ثبوت ملتا ہے، مثلاً آپ نے فرمایا:

اصحابی کالنجوم بایھم	میرے صحابی نجوم کی مانند ہیں تم جسکی
اقتدیتم اھتدیتم۔	بھی اقتدار کروگے ہدایت پاؤگے۔

اور اگر ایک شخص عادل ہی نہیں تو اس سے ہدایت حاصل کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ اسی طرح آپ کا یہ قول کہ:

خیر القرون قرنی ثم الذین	بہترین لوگ میرے زمانہ والے ہیں
یلونھم ثم الذین یلونھم	پھر جو اس کے بعد آئے۔ ان تین زمانوں
ثم یفشو الکذب [36]	کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا۔

قرآن و سنت کے ان دلائل کے علاوہ یہ امر بھی حد تواتر تک ثابت ہے کہ صحابۂ کرام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر معاملہ میں مدد کی، ان کے ساتھ ہجرت کی، ان کے کہنے پر جہاد کیا اور اپنی اور اپنے آل و اولاد کی جانیں قربان کیں اور ان کے کہنے پر دینی امور کی حفاظت کی. قوانین اسلام کا اجراء کیا اور اللہ کی حدود کو قایم کیا، اس لیے آپ نے ان قربانیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے صحابہ سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

لاتسبوا اصحابی فوالذی نفسی	میرے صحابیوں کو گالیاں مت دو اسکی
بیدہ لو انفق احدکم مثل	قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم
احد ذھبا مابلغ مد احدھم	میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا
ولا نصیفہ [37]	بھی خرچ کرے تو وہ صحابی کے ایک مد
	یا اس سے نصف مقدار سونا خرچ کرنے
	کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔

علمائے اصول کے نقطۂ نظر کے مطابق صحابہ کی عدالت کی شہادت اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی امتیاز کے ان قرآنی آیات میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں دی ہے۔ ان شواہد کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔[38]

البتہ جمہور میں سے بعض کی رائے میں فتح مکہ سے قبل تک کے تمام صحابہ مقطوع العدالہ ہیں، ان کے بارے میں کسی قسم کا شک قطعاً مناسب نہیں، البتہ فتح مکہ کے بعد جو لوگ مسلمان ہوئے ان میں کچھ مولفۃ القلوب بھی تھے ان کے بارے میں اختلاف کی گنجائش ہے لیکن ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم تمام کے بارے میں کلمہ خیر کہیں۔[39]

جمہور علمائے اصول نے معتزلہ، خوارج وغیرہ کا یہ اعتراض قبول نہیں کیا کہ صحابہ فتنوں میں داخل ہونے سے قبل عادل تھے اور بعد میں عادل نہ رہے۔ ان کی رائے میں حضرت عثمانؓ کی شہادت میں کوئی صحابی شریک نہیں تھے اور نہ ہی ان کے قتل پر کوئی راضی تھا بلکہ باہر سے فاسقوں کا ایک ٹولہ چوروں کی مانند مدینہ میں داخل ہوا اور اس نے یہ فعل قبیح سرانجام دیا، حالانکہ صحابہ نے امیر المومنین کی حفاظت کی کوشش بھی کی تھی[40] اور حضرت علیؓ سے لڑائیوں میں جمہور علماء کا یہ موقف ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ برحق تھے لیکن جنگ جمل یا جنگ صفین میں مدمقابل فریق سے اجتہادی غلطی سرزد ہوئی تھی اور مجتہد اگر اجتہاد میں غلطی کرے تو اس سے اس کی عدالت کا بطلان ثابت نہیں ہوتا، مزید یہ کہ جنگ جمل کے بعد حضرت عائشہؓ ساری عمر استغفار کرتی رہیں۔ حضرت علیؓ نے دونوں جنگوں کے بعد ان صحابہ کی گواہی قبول کی اور ان کے ساتھ نماز بھی پڑھی جو ان کی مخالفت میں لڑے تھے یا خاموش رہے تھے، مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن مسعود وغیرہ۔ اس لیے جمہور کی رائے میں عدالتِ صحابہ پر معتزلہ کا یہ اعتراض فاسد ہے[41]

۴۔ چوتھی رائے جمہور احناف کی ہے۔ ان کے نزدیک کبھی جہالت عدالت کا اطلاق صحابۂ کرام پر نہیں ہوتا کیونکہ ان کی تعدیل قرآن اور حدیث کے نصوص سے ثابت ہے اور اسی طرح صحابہ کی عدالت پر اعتراض کرنا، قرآن وحدیث کی مخالفت کرنا ہے، لیکن انسان ہونے کی حیثیت سے بعض کو بعض روایات میں توہم پیدا ہوا، جس کا اظہار ان کے ہم عصر صحابہ نے کیا اور بعض صحابہ کی احادیث کو کچھ صحابہ نے قرآن، سنت متواترہ، یا عقلی دلائل سے رد بھی کیا۔ اس لیے اگر بعض صحابہ کی روایات کو قرآن، سنت متواترہ یا عقلی دلائل کی روشنی میں رد کیا جائے تو اس صورت میں ان کی عدالت میں فرق نہیں آئے گا۔ ذیل میں بعض جلیل القدر صحابہ کے حدیث پر اعتراض کی چند مثالیں دی جارہی ہیں تاکہ احناف کا موقف واضح ہو جائے۔

صحابۂ کرام کے حدیث پر اعتراض کرنے یا اس پر عمل نہ کرنے کے دو اسباب ممکن ہیں۔

۱۔ ان کو حدیث کا علم تھا، ۲۔ حدیث کا علم نہیں تھا۔ ان ہر دو ممکنہ صورتوں میں راوی کی عدالت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

حدیث پر صحابۂ کرام کے اعتراضات

(الف) حدیث کے مخفی رہنے کا احتمال نہ ہونے کے باوجود اس کی مخالفت: اگر صحابۂ کرام ایسی حدیث کی مخالفت کرتے ہیں جس کے مخفی رہنے کا احتمال نہیں ہو سکتا تو یہ احناف کے نزدیک ان کی طرف سے حدیث پر اعتراض ہے لیکن اس سے اس کے راوی کی عدالت مجروح نہیں ہوگی، مثلاً حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے:

البکر بالبکر جلد مائۃ وتغریب عام۔ [43]

اگر کنوارا کنواری سے زنا کرے تو اسے سو کوڑے اور جلاوطنی کی سزا دو۔

جلاوطنی سے مراد شہر بدر کرنا ہے یعنی اسے اس کے مسکن سے اتنی دور بھیج دیا جائے جہاں کے سفر سے نماز قصر ہو جاتی ہے [43] لیکن حضرت عمرؓ نے جب ربیعہ بن خلف کو خیبر کی طرف جلاوطن کیا تو وہ ہرقل روم سے مل گیا اور عیسائی ہو گیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا "میں اب کسی کو جلاوطن نہیں کرونگا"۔ ایسے ہی حضرت علیؓ نے بھی فرمایا کہ "جلاوطنی ایک فتنہ ہے"۔ [44] یہ بات واضح ہے کہ یہ حدیث ان بزرگوں سے مخفی نہیں رہ سکتی تھی کیونکہ امام کے فرائض میں سے ایک فریضہ حد کا قائم کرنا بھی ہے اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ تو ان شخصیات میں سے ہیں جن سے ہم دین سیکھتے ہیں اگر یہ ائمہ صحابہ کسی حدیث کو جانتے ہوئے اس پر عمل ترک کریں اور اسے فتنہ قرار دیں تو یہ بات ان کی طرف سے اس حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔ [45] لیکن اس سے راوی صحابی کی عدالت مجروح نہیں ہوگی۔

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شہر کو فتح کرتے تو غیر مسلموں پر جزیہ لگاتے اور وہ زمین اور مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم فرما دیتے مثلاً بنو نضیر، بنو قریظہ اور خیبر کی فتح کے موقع پر آپ نے ایسا ہی کیا لیکن حضرت عمرؓ نے جب عراق کو فتح کیا تو بقیہ مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر کے زمین اہلِ عراق کے پاس رہنے دی اور ان سے اسکا خراج وصول کیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم نہ رہا ہو یہ ممکن نہیں مگر وہ جانتے تھے کہ آپ کا یہ فرمان حتمی نہیں تھا، چنانچہ سواد عراق کے مسئلہ پر شوریٰ کے اندر کئی دن تک بحث ہوتی رہی اور حضرت بلالؓ ان کی اس رائے کی شدید مخالفت کرتے رہے مگر حضرت عمرؓ نے اس کی پروا نہیں کی دوسرے تمام صحابہ نے ان کے اس موقف کی حمایت کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حتمی حکم نہ تھا جس کو حضرت عمرؓ نے بدل دیا ہو۔ [46]

ایسے ہی حضرت عمرؓ نے متعۃ النساء اور متعۃ الحج سے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا مگر میں ان سے روک رہا ہوں۔ چنانچہ ابن سیرین نے کہا کہ ایک طرف تو حضرت عمرؓ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتوں سے متعۃ کرنے کے حکم کے مروج ہونے کی شہادت بھی دیتے تھے اور دوسری طرف خود ہی اس سے روکتے بھی تھے۔[۴۷]

(ب) حدیث کے مخفی رہنے کے احتمال کے ساتھ اس سے صحابہ کی مخالفت: اگر حدیث کے مخفی رہنے کا احتمال ہو تو ائمہ صحابہ کا اس کے خلاف عمل، راوی کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوگا کیونکہ امکان ہے کہ وہ حدیث صحابی تک نہ پہنچی ہو اور وہ کسی اور حدیث یا اپنے اجتہاد پر عمل کرتے رہے ہوں مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ کو طواف الصدر کی رخصت عطا فرمائی تھی۔[۴۸] یعنی اگر حج کے ارکان ادا کرنے کے بعد صرف طواف الصدر باقی رہ جائے اور عورت کو حیض شروع ہو جائے تو وہ یہ طواف چھوڑ کر گھر آ سکتی ہے مگر حضرت عبداللہؓ بن عمر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اس پر عمل نہیں کرتے تھے اور اگر اپنی خواتین کے ساتھ حج کو جاتے اور یہ صورتِ حال رونما ہوتی تو پاک ہونے کے بعد خواتین کو طواف صدر کروا کے واپس لاتے۔ چونکہ اس طرح کے واقعات نادر الوقوع ہوتے ہیں لہذا یہ ممکن ہے کہ ان تک رخصت والی حدیث نہ پہونچی ہو اس لیے وہ اس حدیث پر عمل نہ کرتے ہوں۔[۴۹]

ایسے ہی حضرت ابو موسیٰ اشعری کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے تھے جس میں حکم ہے کہ نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو اور نماز دونوں فاسد ہو جاتے ہیں۔[۵۰] ممکن ہے کہ ان کا اس حدیث کے خلاف عمل عدم واقفیت کی وجہ سے ہو کیونکہ یہ حدیث نادر واقعات سے متعلق ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حدیث ان تک

نہ پہونچی ہو۔[۵۱]

حوالہ جات

[۱] رازی، محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح، لبنان، دار الفکر، تاریخ ندارد، مادہ "صحب" [۲] حوالۂ سابقہ [۳] راغب اصفہانی امام۔ المفردات فی غریب القرآن، تحقیق محمد سعید گیلانی کراچی، نور محمد کارخانہ کتب، مادہ "صحب" [۴] عضد الدین ایجی۔ شرح مختصر ابن الحاجب، مصر، المطبعۃ الکبریٰ الامیریہ، ۱۳۱۸ھ، ج ۲ ص ۶۷ [۵] ابن نجار الفتوحی۔ شرح الکواکب المنیر مکہ مکرمہ کلیۃ الشرعیہ، الکتاب الخامس، ج ۲، ص ۴۶۵ [۶] آمدی۔ الاحکام، ج ۲، خلاصہ ص ۱۳۱، ۱۳۲۔ نیز ملاحظہ فرمائیں ایجی۔ شرح مختصر ابن الحاجب، ج ۲، ص ۶۷ [۷] عبد العلی بحر العلوم فواتح الرحموت، ج ۲، ص ۱۵۸، نیز ملاحظہ فرمائیں ابن کثیر، الباعث الحثیث۔ قاہرہ، مکتبہ دار التراث ۱۹۸۹ء، ص ۱۵۸۔ الباجی ابو الولید۔ احکام الفصول فی احکام الاصول، بیروت، الموسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۸ء، ص ۲۹۵ [۸] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب نمبر ۱۱، (متی یصح سماع الصغیر) [۹] الفتوحی۔ شرح الکوکب المنیر، ج ۲، ص ۴۶۷، نیز ملاحظہ فرمائیں ابن لحام۔ المختصر فی اصول الفقہ، تحقیق ڈاکٹر محمد مظہر بقاء، مکہ مکرمہ، جامعہ ملک عبد العزیز، الکتاب التاسع، ص ۸۹، سیوطی جلال الدین۔ تدریب الراوی، لاہور، دار نشر الکتب الاسلامیہ، تاریخ ندارد، ج ۲ ص ۲۱۰ [۱۰] عبد العلی بحر العلوم، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، قم، منشورات الرضی، تاریخ ندارد، ج ۲، ص ۱۵۸ [۱۱] امیر بادشاہ، تیسیر التحریر شرح کتاب التحریر، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۱ھ ج ۳، ص ۶۷، نیز ملاحظہ فرمائیں بصری ابی الحسین۔ المعتمد فی اصول الفقہ۔ لبنان، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۳ء، ج ۲، ص ۱۷۲ [۱۲] فخر الاسلام بزدوی۔ اصول البزدوی، کراچی، نور محمد کتب خانہ، تاریخ ندارد، ص ۱۵۸ [۱۳] شاشی نظام الدین۔ اصول الشاشی، دیوبند، مکتبہ رحیمیہ، تاریخ ندارد، ص ۶۷،

۱۴؎ صحیح بخاری۔ کتاب الطلاق، باب قصہ فاطمہ بنت قیس ۱۵؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں، آمدہ صفحات عنوان "مجہول راوی" ۱۶؎ صدرالشریعہ۔ التوضیح مع التلویح، کراچی، نور محمد تجارت کتب، ۱۳۰۰ھ، ج ۲، ص ۳۴۲ ۱۷؎ امیر بادشاہ، تیسیر التحریر، ج ۲، ص ۶۷ ۱۸؎ عبدالعلی بحرالعلوم، فواتح الرحموت، ج ۲، ص ۱۵۹ ۱۹؎ ملاجیون، نورالانوار شرح المنار، لبنان، دارالکتب العلمیہ ۱۴۰۶ھ، ج ۲، ص ۳ ۲۰؎ آمدی۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ج ۲ ص ۱۳۹ ۲۱؎ سرخسی، شمس الائمہ اصول السرخسی، قاہرہ، مطبع دارالکتاب العربی ۱۳۷۲ء، تحقیق ابوالوفاء دافانی، ج ۱، ص ۳۴۱ ۲۲؎ شاطبی ابی اسحاق۔ الموافقات فی اصول الشریعۃ مصر، مکتبہ التجاریہ الکبری، تاریخ ندارد، ج ۴، ص ۳۔۷ ۲۳؎ آل عمران ۱۱۰ ۲۴؎ البقرہ ۱۴۳ ۲۵؎ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۱۲۶ (حدیث عرباض بن ساریہ) ۲۶؎ ابن قیم جوزیہ، اعلام الموقعین، بیروت، دارالجلیل، ۱۹۷۳ء، ج ۴، ص ۱۲۷ ۲۷؎ حوالہ سابقہ، ج ۴، ص ۱۳۸ ۲۸؎ شاطبی، الموافقات، ج ۴، ص ۳-۴، ۷۵-۷۷ ۲۹؎ ابن حزم ظاہری، الاحکام فی اصول الاحکام، مصر، مکتبہ الخانجی، ۱۳۴۵ھ، ج ۲ ص ۲ ۳۰؎ حوالہ سابقہ، ج ۲، ص ۳ ۳۱؎ عبدالعلی بحرالعلوم، فواتح الرحموت، ج ۲، ص ۱۵۵ ۳۲؎ شیرازی ابی اسحق۔ اللمع فی اصول الفقہ، مکہ مکرمہ، محمد صالح منصور الباز، ۱۳۲۵ھ، ص ۸۰، نیز ملاحظہ فرمائیں آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ج ۲، ص ۱۲۸، ایجی۔ شرح مختصر ابن حاجب، ج ۲، ص ۱۲۸ ۳۳؎ التوبہ، ۱۰۰۔ ۳۴؎ الفتح، ۱۸ ۳۵؎ الفتح ۲۹ ۳۶؎ صحیح بخاری۔ کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل الصحابہ باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۳۷؎ حوالہ سابقہ ۳۸؎ آمدی۔ الاحکام فی اصول الاحکام ج ۲، ص ۱۲۹، نیز ملاحظہ فرمائیں ایجی۔ شرح مختصر ابن الحاجب، ج ۲، ص ۶۷ ۳۹؎ عبدالعلی بحرالعلوم، فواتح الرحموت، ج ۲، ص ۱۵۶ ۴۰؎ حوالہ سابقہ، ج ۲ ص ۱۵۵ ۴۱؎ شیرازی، کتاب اللمع، ص ۸۰، آمدی۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ج ۲، ص ۱۳۰ ۴۲؎ سنن ابی داؤد۔

کتاب ابواب الحدود، باب حد الزنا ۴۳؎ عبدالعزیز بخاری۔ کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، قسطنطنیہ۔ مکتبہ الصنائع، ۱۳۰۷ھ، ج ۳، ص ۸۶، ۴۴؎ بزدوی۔ اصول البزدوی ص ۱۹۶ ۴۵؎ حقانی عبدالحق، النامی شرح الحسامی، دیوبند، کتب خانہ رحیمیہ، تاریخ ندارد ج ۱، ص ۱۵۲ ۴۶؎ نسفی، کشف الاسرار شرح المنار، ج ۲، ص ۸۲ ۴۷؎ بزدوی، اصول البزدوی، ص ۹۶ ۴۸؎ صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب المرأۃ تحیض بعد الافاضہ ۴۹؎ سرخسی، اصول السرخسی، ج ۲، ص ۸ ۵۰؎ تفصیل ملاحظہ فرمائیں، آمدہ صفحات عنوان "معروف راوی" ۵۱؎ عبدالعزیز بخاری، کشف الاسرار، ج ۳، ص ۸۸۔

اسوۂ صحابہؓ حصہ اول ودم

از مولانا عبدالسلام ندوی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے لیے صحابہ کرام کی زندگی اسوہ اور نمونہ ہے، اس لیے دارالمصنفین نے سلسلہ سیرت کی طرح سلسلہ سیرالصحابہ کی تالیف کو ضروری اور مقدم سمجھا، اس سلسلہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی قبولیت بخشی، اس سلسلہ میں تقریباً ۱۵ تصنیفات شایع ہوچکی ہیں، مذکورہ بالا کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے، جس میں صحابہ کرام کی سیرت، زندگی، اخلاق اور تعلیمات کا عطر کشید کیا گیا ہے اسکے دو حصے ہیں، پہلے حصہ میں صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہم کے عقائد، عبادات، اخلاق، حسن معاشرت اور طرز معاشرت وغیرہ کی تفصیل پیش کرکے یہ دکھایا گیا ہے کہ انکی زندگی عمل بالکتاب والسنہ کا کامل نمونہ تھی، دوسرے حصہ میں ان حضرات کی سیاسی، مذہبی اور علمی خدمات کی تفصیل کرکے یہ دکھایا گیا ہے کہ انھوں نے کیونکر اسلام کے عادلانہ نظام کو قائم رکھا اور کیونکر مذہب، اخلاق اور علوم اسلامیہ کی حفاظت واشاعت کی۔ اس کا مطالعہ ہر مسلمان بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی ضروری ہے اس سے اسلام اور مسلمانوں کی اصل خصوصیات پوری طرح سامنے آجاتی ہیں۔

قیمت حصہ اول ۵۰ روپے۔ قیمت حصہ دوم ۵۶ روپے۔

آزاد بلگرامی کے معروف تذکرۂ "ید بیضا" کی چوری کے بارے میں آزاد کا ایک بیان

از ڈاکٹر سید حسن عباس

تذکرہ ید بیضا[1]، قدیم و جدید فارسی گو شعرا کا فارسی میں لکھا گیا ایک عام تذکرہ ہے اس کے مولف معروف تذکرہ نویس اور شاعر و ادیب میر غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۶-۱۲۰۰ھ) ہیں۔ مولانا آزاد بلگرامی برصغیر کے ان علما میں شمار کیے جاتے ہیں جن پر بجا طور پر مسلمان فخر کر سکتے ہیں۔ آپ کئی اہم کتابوں کے مصنف اور عربی و فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ عربی میں آپ کی مشہور زمانہ کتاب "سبحۃ المرجان فی آثار ھندوستان" اور فارسی میں آپ کے مشہور تذکرے۔ ید بیضا، سرو آزاد اور خزانۂ عامرہ کے علاوہ "مآثر الکرام تاریخ بلگرام" کی افادیت کا ایک زمانہ قائل ہے اور ان کتابوں کے حوالے کثرت سے دیے جاتے ہیں۔

آزاد بلگرامی کو تذکرۂ ید بیضا کی تالیف کا خیال اس وقت آیا جب وہ ۱۱۴۳ھ میں سیوستان (سندھ) جا رہے تھے اور ۱۱۴۵ھ کے وسط میں وہیں پر اسے تحریر کیا۔ اس وقت

[1] تفصیل کے لیے رجوع کریں:۔ تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، تالیف ڈاکٹر علی رضا نقوی ص ۲۷۱ و تاریخ تذکرہ ہای فارسی، تالیف گلچین معانی، جلد دوم ص ۴۱۹۔

منابع و مصادر کی کمی اور مسافرت و غربت میں آزاد سے جو کچھ ہو سکتا تھا اس کے مطابق اس تذکرے میں ۵۳۲ شاعروں کا احوال مع انتخاب کلام داخل کیا۔ تحریر اول کا آغاز افضل الدین محمد کاشانی سے اور اختتام میر محمد یوسف بن میر محمد اشرف بلگرامی پر ہوا۔ ۱۱۴۷ھ میں وہ بلگرام واپس آگئے۔ وطن آنے کے بعد اس تذکرے پر نظر ثانی کر کے ۱۱۴۸ھ میں ایک دوسرا نسخہ تیار کیا جس میں شعراء کی تعداد ۱۳۵۹ ہو گئی۔ تحریر دوم کا آغاز ابوالحسن شہید بلخی سے کیا اور خاتمہ میر محمد یوسف بلگرامی پر۔

یہ تذکرہ ابھی تک شایع نہیں ہوا ہے اور اس کے متعدد قلمی[1] نسخے ہند و پاکستان کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ خود مولف کا خود نوشت نسخہ خدا بخش لائبریری میں موجود ہے، البتہ پورا نسخہ مولف کے قلم سے نہیں ہے بلکہ ایک حصہ آزاد کے قلم سے ہے[2] جس دوسرے نسخے پر مولف کے نسخے کا گمان ہے وہ کتابخانہ شاہان اودھ میں تھا[3]۔ مصنف کا خود نوشت ایک اور نسخہ تھا جسے "نسخۂ صمدن" کا نام دیا گیا تھا۔ اس نسخہ کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ مصنف کے والد سید نوح کی فرمایش پر تیار ہوا تھا جس کو آزاد بلگرامی اور ان کے دو بھائیوں غلام حسن اور غلام امام صادق نے لکھا تھا اور حجت الملت والامت سید برہان الدین کی خدمت میں پیش کیا تھا[4]۔

[1] اس کے قلمی نسخوں کے لیے ملاحظہ کریں۔ فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان، تالیف احمد منزوی، جلد ۱۱ ص ۷۵۹، [2] فہرست بانکی پور، جلد ۸ ص ۱۱۶ [3] فہرست اسپرنگر — CATALOGUE OF THE ARABIC, PERSIAN AND HINDUSTANI MSS. IN THE LIBRARIES OF THE KING OF OUDH BY A.- SPRENGER. M.D. VOL. I P142 - [4] معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۲۳ء، مقالۂ مقبول احمد صمدانی۔

مئی ۱۹۹۶ء میں حیدرآباد میں منعقدہ ایک بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کا موقع ملا۔ سیمینار کے بعد ایک دن سالار جنگ میوزیم گیا۔ وہاں دن بھر مخطوطات دیکھتا رہا اور یادداشتیں تیار کرتا رہا۔ سب سے پہلے میں نے آزاد بلگرامی کی تالیفات و تصنیفات[1] کے وہاں موجود قلمی نسخے دیکھے ان ہی نسخوں میں ید بیضا کا وہ مخطوطہ بھی مطالعے میں آیا جس کا نمبر ۱۸ ہے۔ اس مخطوطے کے آخر میں صفحات ۲۵۰-۲۵۲ پر آزاد بلگرامی کی جانب سے ید بیضا کے سرقے سے متعلق یادداشت درج ہے۔ اس نسخے کی کتابت کی تاریخ ۵ جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ ہے۔ مخطوطہ متاخر ہے اور غلط کتابت کا نمونہ۔ اس یادداشت کا خلاصہ یہ ہے۔ آزاد کہتے ہیں:

"حرمین شریفین کی زیارت کے بعد اورنگ آباد میں سکونت کے دوران ۱۴ رمضان ۱۱۵۶ھ کو بلگرام سے میر محمد یوسف بلگرامی کا خط آیا کہ آپ کے حرمین شریفین کی زیارت پر جانے کی بعد میدان کو خالی پاکر بنارس کے ایک شخص نے ید بیضا میں جہاں جہاں میرا (آزاد) نام تھا، مٹا کر اس تذکرے کی نقلیں تیار کرواکر اپنے نام سے جاری کیں۔" آزاد کہتے ہیں:

سبحان اللہ! بے حیائی کی کیا نقاب پہنی ہے، ایمان بیچ ڈالا اور دیانت و امانت کو پس پشت ڈال دیا۔" اس کے بعد انھوں نے آیات قرآنی اور احادیث پیش کرکے

---

[1] آزاد بلگرامی اور ان کی فارسی تالیفات و تصنیفات۔ دانشگاہ تہران میں ڈاکٹریٹ کے لیے میرا موضوع تھا اور میں نے اپنا تحقیقی مقالہ اسی موضوع پر داخل کرکے ڈی۔ لٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اب یہ تحقیقی مقالہ دہلی سے شایع ہونے والا ہے۔ اس لیے مجھے خصوصی طور پر ان سے اور انکی کتابوں سے دلچسپی ہے اور میں جہاں جاتا ہوں سب سے پہلے آزاد کی کتابیں تلاش کرتا ہوں۔

سرقے کی مذمت کی ہے۔ آزاد کہتے ہیں:

"میں نے اتنی محنتیں اور مشقتیں اٹھائی ہیں گویا سارق نے خود یہ زحمات برداشت کی ہیں اور تمام واقعات جو تذکرے میں درج ہیں، گویا اس نے مطالعہ کرکے درج کیے ہیں حالانکہ اس کی بے نور آنکھوں نے ان کتابوں کو کبھی دیکھا بھی نہ ہوگا اور اگر بعض کتابیں دیکھی بھی ہوں گی تو کچھ ایسے نوادر بھی ہیں جنھیں پوری زندگی میں دیکھا نہ ہوگا۔"

اس کے بعد آزاد کہتے ہیں:

"حرمین شریفین کی زیارت کے بعد کچھ نئے مواد ہاتھ آئے جن کے مفید ہونے کے پیش نظر وطن (بلگرام) بھیج دیے تاکہ وہ نسخے (ید بیضا) میں اضافہ کردیے جائیں۔"

پھر سارق کے بارے میں کہتے ہیں:

"اگر بنارس کے سارق سے الحاقات اور تذکرہ نویسی کے اصول دریافت کیے جائیں تو اس کا جواب یہی ہوگا لا علم لنا علی ما علمتنا۔ اس عزیز نے تو عجب جسارت سے کام لیا ہے کہ خود مصنف تذکرہ کی زندگی میں کتاب پر قبضہ کرلیا اور مصنف کے مشہور ہونے کے باوجود اس نے یہ نہیں سوچا کہ اطراف و اکناف میں اس کتاب کے پہونچنے کے بعد اسے کتنی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا ع

چہ دلاور است دزدی کہ بکف چراغ دارد"

آزاد آگے کہتے ہیں:

"یہ عزیز ہماری طرز و روش اور استعداد سے معرا ہے ورنہ "متاع دزدی" کو "سرمایۂ خود فروشی" نہ بناتا اور اس نے تذکرے میں جو دخل و تصرف کیا ہے۔"

اس کی بے استعدادی کی وجہ سے ظاہر ہو جائے گا۔ جب دونوں نسخوں کا مقابلہ کیا جائیگا تو بنارس کا سارق خود بخود ناظرین پر روشن ہو جائے گا۔"

پھر آزاد نے ناصر علی کے چند اشعار اپنی بات کی وضاحت کے لیے پیش کیے ہیں۔ اس کے بعد یہ کہا ہے کہ ایسے واقعات بہت ہوئے ہیں جب کسی نے کسی کی کتاب اپنے نام سے مشہور کر دی۔ مثال کے طور پر انہوں نے علامہ شیخ جلال الدین سیوطی کی کتاب "خصائص نبوی" کا ذکر کیا ہے جس کی جمع آوری میں شیخ نے سالہا صرف کیے تھے۔ ایک شخص نے جو شیخ کا معاصر تھا ان کی کتاب کے بعض حصے اپنا لیے جب یہ خبر علامہ سیوطی کو ملی تو ہنگامۂ عظیم برپا ہوا اور سب کے سامنے سارق کو رسوائی کا منھ دیکھنا پڑا۔ سیوطی نے اس واقعے کا ذکر بھی کیا ہے اور اس حصے کا جہاں یہ واقعہ ذکر ہوا ہے "الفارق بین المصنف والسارق" نام رکھا ہے۔

شیخ سعدی نے بھی گلستان میں ایک ایسی ہی حکایت بیان کی ہے۔ پھر آزاد "بنارسی سارق" کو گلستان کے اسی "صیاد" کا "برادر معنوی" بتاتے ہیں جس نے انوری کا قصیدہ اپنا لیا تھا۔ آزاد کہتے ہیں:

"اس بنارسی چور نے ہماری کتاب چرالی ہے تعجب نہیں کہ ہمارے حج اور ہماری سیادت کو بھی خود سے منسوب کر دے۔ لیکن وہ رسوائے عالم ہوگا۔"

پھر آزاد نے ایک قطعہ کہا جو اس تذکرے میں موجود ہے۔

بی شعوری از بنارس کرد فکر نارسی — خواست تا در دست گیرد شعلۂ جوالہ ای

برد تصنیف من و شہرت بنام خویش داد — از بہارم کرد غارت این ستمگر لالہ ای

خواند و از بر کرد توریت و کلیم اللہ ندا — گفت من صاحب کتابم طوطی بنگالہ ای

سامری باشی و دعوای ید بیضا کنی — رو کہ در دست تو می زیبد دم گوسالہ ای

گرچہ خود را گوہر اصلی نماید در نظر — آب گردد عاقبت از آفتاب ژالہ ای

آزاد مذکورہ قطعۂ مذمت لکھنے کے بعد افسوس کرتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ ایسی باتوں سے پرہیز کیا لیکن کیا کروں کہ اس شخص نے میری عمر بھر کی محنت و مشقت پر پل بھر میں پانی پھیر دیا۔ یہ چند باتیں زبان قلم سے بے ساختہ نکل آئیں۔ ہاں! ناظرین سے میری درخواست ہے وہ بنارسی چور کو اگر پائیں تو اس سے ضرور پوچھیں۔

جہاں تک تحقیق کی بات ہے تو مذکورہ نسخۂ ید بیضا کے علاوہ یہ کہانی اس تذکرے کے کسی اور نسخے میں نہیں ملتی اور مجھے یقین ہے کہ چونکہ یہ واقعہ ید بیضا کی تالیف (۱۱۴۸ھ) اور مصنف کے سفر حج (۱۱۵۲ھ) کے بعد کی بات ہے اس لیے آزاد نے اسے اپنی بیاض میں لکھا ہوگا اور کسی نے اس کہانی کو مذکورہ نسخہ موجود در سالار جنگ میں نقل کر دیا۔

یہ بات آج تک معلوم نہ ہو سکی وہ 'بنارسی چور' کون تھا؟ اور نہ ہی ید بیضا کے کسی نسخے پر آزاد بلگرامی کے علاوہ کسی اور کا نام ملتا ہے۔ ممکن ہے آزاد کے احتجاج کے بعد وہ نسخے جن پر سے آزاد کا نام صاف کر کے کسی اور کا نام لکھا گیا ہو، ضایع کر دیے گئے ہوں۔ بہر حال یہ ایک احتمال ہی ہے تا وقتیکہ ید بیضا کا کوئی ایسا نسخہ سامنے نہ آجائے جس پر آزاد کے بجائے کسی اور کا نام بحیثیت مصنف درج ہو اور محتویات و مطالب' آزاد کے تالیف کردہ ید بیضا کے ہوں۔ اس وقت وہ 'سارق'، جو بنارس کا رہنے والا تھا، بے نقاب ہو جائیگا۔

مولانا عبدالسلام ندوی کی تاریخ الحرمین الشریفین

از مولوی کلیم صفات اصلاحی

مولانا عبدالسلام ندوی دارالمصنفین کے اساطین ثلاثہ میں تھے، علامہ شبلیؒ کے جن تلامذۂ خاص نے ان کے ناتمام کاموں کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا اور ان کی یادگار دارالمصنفین کو پروان چڑھایا ان میں یہ بھی تھے جن کے علمی اشتراک اور مولانا مسعود علی ندوی کے انتظامی تعاون سے مولانا سید سلیمان ندوی نے دارالمصنفین کو عالمگیر اور بین الاقوامی شہرت کا حامل ادارہ بنادیا۔

مولانا عبدالسلام ندوی میں تصنیف و تالیف کی فطری صلاحیت تھی اور علامہ شبلی نے خاص طور پر انہیں اس کی تربیت بھی دی تھی۔ ان کو ترجمہ نگاری کا خاص ملکہ حاصل تھا، انکے ترجمے پر اصل کا دھوکا ہوتا تھا۔ انہوں نے مستقل تصنیفات کے علاوہ کئی کتابوں کا بہت سلیس اور شگفتہ اردو ترجمہ کیا ہے، جن میں تاریخ فقہ اسلامی، ابن خلدون، انقلاب الامم، اور تاریخ الحرمین الشریفین قابل ذکر ہیں۔ اس مضمون میں اسی موخر الذکر کتاب کا تعارف کرانا مقصود ہے جس کا ترجمہ مولانا نے اپنی تصنیفی زندگی کے اوائل میں کیا تھا اور اب اکثر لوگوں کو اس کے نام سے بھی واقفیت نہیں رہ گئی ہے۔

۴ر اکتوبر ۱۹۵۶ء کو مولانا کا انتقال ہوا تھا، اس مناسبت سے ان کی اس کتاب پر یہ مضمون پیش کیا جارہا ہے۔

"تاریخ الحرمین الشریفین" "الرحلۃ الحجازیہ" کا اردو ترجمہ ہے۔ ۱۳۲۷ھ میں عباس حلمی[1]

[1] یہ ۱۴ر جولائی ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں ۸ر جنوری ۱۸۹۲ء کو تخت نشین ہوئے۔

پاشا ثانی خدیو مصر نے حج کا سفر کیا۔ اس کے مشاہدات و تاثراتِ سفر کو اس کے دوست محمد لبیب البتنونی نے اس خوبی سے مرتب کیا کہ وہ محض سفر کے مشاہدات ہی نہیں بلکہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی جامع اور دلچسپ تاریخ بھی بن گیا۔ مولانا نے اس مفید سفر نامہ کو اردو میں منتقل کرنے کے علاوہ اس میں بعض ضروری اور مفید مضامین و حواشی کا اضافہ بھی کیا، جس سے اس کی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی وہ مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

"۱۳۲۷ھ میں جب عباس حلمی پاشا ثانی خدیو مصر نے بہ تقریب حج ان مقامات مقدسہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا تو ان کے رفقاء میں محمد لبیب البتنونی نے اس کمی (یعنی حرمین شریفین کی تاریخ پر کوئی مستند و جامع کتاب نہیں ہے) کو محسوس کیا اور خدیو کا ایک نہایت مفصل سفر نامہ "الرحلۃ الحجازیہ" کے نام سے لکھا جس میں اس مقدس سر زمین کے ذرے ذرے پر مذہبی، علمی اور تاریخی حیثیت سے نگاہ ڈالی ہے۔"[1]

ایک اور خوبی انہوں نے یہ بیان کی کہ بہت سے زائرین حج نے اپنے سفر ناموں میں مناسکِ حج وغیرہ پر جو کچھ لکھا ہے اس سے مخالفین اسلام کے اعتراضات کو تقویت ملتی ہے نیز ان سے اس مقدس سر زمین کی علمی، تاریخی، سیاسی و تمدنی تصویر بہت دھندلی نظر آتی ہے اس کے برخلاف الرحلۃ الحجازیہ کے مصنف نے خانۂ کعبہ، طواف، آب زمزم، حجر اسود، قربانی اور رمی جمار وغیرہ مناسکِ حج پر تاریخی، مذہبی حیثیت سے اس طرح فلسفیانہ بحث کی ہے کہ اس سے معترضین اسلام کے سارے اعتراضات و شبہات رفع اور مسلمانوں کے دلوں میں ان چیزوں سے اور بھی حسن عقیدت پیدا ہو گئی ہے۔

کتاب کا مقدمہ کتاب کا آغاز مولانا سید سلیمان ندویؒ کے مقدمہ سے ہوا ہے جس میں زیر نظر

[1] دیباچہ تاریخ الحرمین الشریفین، ص ۴-۵۔

کتاب کو ارض حرم کی ایک مختصر لیکن جامع تاریخ بتانے کے بعد خود حضرت سید صاحبؒ نے ارض حرم کی مذہبی وتاریخی اہمیت قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی روشنی میں بیان کی ہے۔ یہ مقدمہ ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب کا اصل موضوع کتاب کا موضوع اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے اپنے دیباچہ میں وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ:

"اس سفر نامہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ اور بھی بہت سے تاریخی واقعات وحالات مذکور ہیں لیکن عام مسلمانوں کی دلچسپی زیادہ تر ان واقعات وحالات سے ہوسکتی ہے جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے ساتھ خاص تعلق رکھتے ہیں۔"[1]

فاضل مترجم کی نظر میں یہ کتاب، مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی حیثیت سے حرمین شریفین کی مفصل تاریخ ہوگئی ہے اور خاص طور سے اس پُر از معلومات سفر نامہ میں مکہ معظمہ کی تاریخ بڑے دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے۔

مباحث "مکہ معظمہ کے عام حالات" کے عنوان سے ارض حرم کی حکومت، مکانات، راستے لوگوں کے اخلاق وعادات، زبان، رسم ورواج، لباس، زیارت گاہوں، ڈاک خانوں، قہوہ خانوں، قلعوں، کتب خانوں، تجارت، سکوں، بازاروں اور شفاخانوں کے بارے میں معلومات قلم بند کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مکہ کی تاریخ، حکومت اشراف کا قیام، نجد میں آل سعود کی حکومت کا آغاز، غلاف کعبہ، محمل، حج، طواف، سنگ اسود، جامۂ احرام، منی میں رجم، قربانی اور آثار منی کا بھی تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

ام القری مکہ کے اولین آثار اور اس کے اطراف ونواح میں انسانی بستی کے قدیم ترین

[1] دیباچہ تاریخ الحرمین الشریفین، ص ۵۔

وجود پر بحث کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ:

"مکہ کی تاریخ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ سے شروع ہوتی ہے۔ ۲۰۹۲ء قبل مسیح میں خدا نے انہیں اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ اور بیوی حضرت ہاجرہؑ کے ساتھ ایسی جگہ ہجرت کا حکم دیا جہاں پانی کی کمی کی وجہ سے کوئی آبادی نہیں تھی، صرف شمالی وادی میں عمالیق آباد تھے، اس وادی کو "جون" بھی کہتے تھے جو بحرین کی طرف سے نکل کر آئے تھے۔ ان کی حکومت کا دائرہ شبہ جزیرہ سینا تک پھیلا ہوا تھا۔"[1]

پھر مولانا نے عمالیق کی لفظی تحقیق اور مختلف زبانوں میں اس کے اصلی لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بابلی انہیں مالیق کہتے تھے۔ عبرانیوں نے اس میں لفظ "عم" یعنی "امۃ" کا اضافہ کرکے "عم مالیق" بنالیا اور عربوں نے تحریف کرکے اسی کو عمالیق یا عمالقہ بنالیا۔ مصری ان کو ہکسوس یعنی چرواہا کہتے تھے۔"[2]

چاہ زمزم اور حجر اسود کی تاریخی حیثیت پر بحث کے دوران حضرت ہاجرہؑ کی اس شرط کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے عمالقہ کو اس شرط پر مکہ میں آباد ہونے کی اجازت دی تھی کہ اس خطہ کی سربراہی ان کے اور ان کے فرزند کے ہاتھ میں ہوگی۔ بنائے کعبہ اور اعلان حج کا تذکرہ بھی ہے۔ مولانا نے لفظ مکہ کے اشتقاق پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ لفظ مکہ یا مکا ایک بابلی لفظ ہے جس کے معنی گھر کے ہیں اور یہ نام عمالیق کا دیا ہوا ہے۔

اہل مکہ کے عادات واطوار، وضع قطع، زبان، آبادی وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ مکہ کی آبادی تقریباً ڈیڑھ[3] لاکھ ہے جن میں پچاس ہزار شہری ہیں اور بقیہ

[1،2] الرحلۃ الحجازیہ، ص ۶۹ [3] اب وہاں کی آبادی میں مزید اضافہ ہوا ہوگا۔

نوادر۔ اس کے بعد وہاں کے باشندوں کی ایک طویل فہرست نقل کی ہے جس میں دکھایا ہے کہ شامی، جاوی، مغربی، ہندوستانی، افغانی اور بخاری نسل کے لوگ یہاں بڑی تعداد میں آباد ہیں اور یہ لوگ تجارت پیشہ ہیں۔ ان کی حالت بہتر ہے، اسی لیے ملک کی اقتصادیات پر انکا قبضہ ہے [1]

وضع قطع اور اخلاق و عادات کے ذکر میں لکھا گیا ہے کہ مختلف قوموں کے میل جول اور باہمی رشتہ داری نے اہل مکہ کو اخلاقی، جسمانی اور لسانی وضع قطع کے اعتبار سے ایک مخلوط النسل قوم بنا دیا ہے اور مکہ میں شامی، ہندوستانی، افغانی، جاوی وغیرہ متنوع تہذیبوں کا ایک سنگم اور امتزاج نظر آتا ہے۔

مدینہ منورہ میں خدیو مصر کی حاضری کے احوال کے ساتھ مدینہ کے مختلف ناموں قدیم باشندوں اور یہود و انصار کا مفصل ذکر ہے، ہجرت نبوی کے پس منظر کے ساتھ مسجد قبا، مسجد نبوی، بیوت الصحابہ، بیوت النبی، مدینہ کی تعمیر نو، مکانات، سڑکیں، بازار، تجارت، حمام، خانقاہیں، کنوئیں مثلاً بئر اریس، بئر انا، بئر ایوب وغیرہ، نہر، باغ، وادیاں زیارت گاہیں اور کتب خانے وغیرہ بھی حیطۂ تحریر میں آگئے ہیں، مدینہ کی سیاسی حیثیت وہاں کی آب و ہوا اور وہاں کے باشندوں کے اخلاق و عادات، فضائل و خصائص اور قرآن مجید اور مدینہ کے عنوان پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

مدینہ منورہ کے مختلف اسماء اور ان کی وجہ تسمیہ، اس کی آبادی کی تاریخ پر اصل کتاب میں جو لکھا گیا ہے، فاضل مترجم نے وفاء الوفاء اور معجم البلدان وغیرہ کی مدد سے مزید معلومات اس طرح فراہم کی ہیں کہ اس کی پوری علمی و تمدنی تاریخ سامنے آجاتی ہے۔ مولانا

[1] الرحلۃ الحجازیہ، ص ۴۰۔

لکھتے ہیں:

"یاقوت حموی نے معجم البلدان میں صرف انیس (19) نام مدینہ، طیبہ، طابہ، مسکینہ، الکالتہ البلدان الخ گنائے ہیں [1]"

صاحب وفاء الوفاء نے نوے (۹۰) نام گنائے ہیں اور لکھا ہے کہ:

ان کثرۃ الاسماء تدل علی شرف المسمیٰ ولم اجد اکثر من اسماء ھذہ البلدۃ الشریفۃ۔	ناموں کی کثرت مسمیٰ کے شرف پر دلالت کرتی ہے اور میں نے اس مقدس شہر سے زیادہ کسی اور شہر کے نام نہیں پائے [2]

آگے صاحب وفاء الوفاء کے حوالے سے مدینہ کے قدیم مشہور نام یثرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق متعدد اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کہ وہ تثریب سے مشتق ہے جس کے معنی ملامت کرنے کے ہیں۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ ایک کافر کا نام تھا اور اسی کے نام سے یہ شہر مشہور ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے مدینہ کے اس نام کو مکروہ خیال کیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ ثرب سے ماخوذ ہے جس کے معنی فساد کے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے لفظ یثرب ایک مصری لفظ تربیس کی تحریف ہے۔" [3]

مولانا نے اہل مدینہ کے اخلاق و عادات، آبادی اور وہاں کے راستوں وغیرہ کے ذکر کے بعد شہر مدینہ منورہ کے ۲۸ خصائص بیان کیے ہیں، طوالت کے خوف سے یہاں چند ہی خصائص پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

[1] معجم البلدان، جلد ۷، لفظ مدینہ یثرب، ص ۴۴۳ [2] وفاء الوفاء ج ۱، باب ۱، ص ۷، [3] تاریخ الحرمین الشریفین، ص ۱۷۲۔

(۱) اس میں ایک ایسی جگہ ہے جو دنیا کی تمام جگہوں پر اجماعاً فضیلت رکھتی ہے (حجرۂ شریفہ)

(۲) اکثر صحابہ وہاں مدفون ہیں۔

(۳) جن شہداء نے خدا کی راہ میں اپنی جانیں دیں وہ خزانے کی طرح مدینہ کی سرزمین میں گڑے ہوئے ہیں۔

(۴) خدا نے رسول اللہؐ کی اعانت وامداد کے لیے اہل مدینہ ہی کا انتخاب کیا۔

(۵) تمام اسلامی ممالک بزور شمشیر مفتوح ہوئے اور مدینہ صرف قرآن کے ذریعہ فتح ہوا۔

(۶) خدا نے اس شہر کی قسم کھائی ہے، لا اقسم بھذ البلد۔

(۷) آپ نے اس کو حرم بنایا۔

(۸) خود آپ نے اپنے ہاتھ سے اس میں مسجد تعمیر فرمائی۔

(۹) یہاں آپ کے حجرے اور منبر کے درمیان جنت کا ایک باغ ہے۔

(۱۰) مسجد نبوی میں تعلیم وتعلم کی تاکید آئی ہے [1]

اس کتاب کی ایک معرکۃ الآراء بحث حکومت اشراف، آل سعود، نجدیوں کی تاریخ اور محمد بن عبد الوہاب کی تحریک ہے جو نہایت پُر از معلومات ہے

اشراف اور آل سعود کی حکومت | اس باب میں لکھا گیا ہے کہ ۳۵۸ھ میں فاطمیین کی حکومت کے قیام کے بعد اشراف کے اقتدار کا آغاز ہوا اور اشراف میں مکہ کا سب سے پہلا والی جعفر بن محمد مقرر ہوا، جس کی اولاد میں یہ سلسلۂ امارت ۴۵۵ھ تک قائم رہا [2]

۱۱۶۰ھ میں محمد بن عبد الوہاب کی تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک نے مکہ سے بدعات وخرافات کے استیصال میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ آل سعود کو اس تحریک کی تائید حاصل ہوئی۔

[1] تاریخ الحرمین الشریفین، ص ۲۵ - ۲۲۳ [2] الرحلۃ الحجازیہ، ص ۴۷۔

۱۲۵۸ھ میں نجد پر امیر فیصل (جس کو ۱۲۵۴ھ میں خورشید پاشا نے گرفتار کرکے مصر روانہ کر دیا تھا) کا قبضہ ہوگیا۔

اس بحث میں نجد میں آل سعود اور مکہ کے شریف خاندان کی باہم آویزش کے متعلق معلومات گو مختصر ہیں مگر جس جامعیت سے ان کو پیش کیا گیا ہے اس سے اس کی افادیت واضح ہے۔ اردو خواں حضرات کو ان واقعات سے بہت کم واقفیت ہوتی ہے اس لیے یہ معلومات ان کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔

کتاب کا سلیس، شگفتہ اور رواں ترجمہ بھی اپنے اندر اہل نظر اصحاب ذوق کی کشش اور دلچسپی کا سامان رکھتا ہے، مولانا ایک بڑے کامیاب مترجم تھے، یہ کتاب اس کا بہترین ثبوت ہے جو دراصل سرے سے ترجمہ معلوم نہیں ہوتی اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس میں جابجا مولانا کے حواشی واضافات نے چار چاند لگا دیے ہیں۔ مولانا کے ترجمہ کی خوبی وروانی کا اندازہ اس اقتباس سے ہوگا:-

"مختلف قوموں کے میل جول اور باہمی رشتہ داری نے اہل مکہ کو اخلاقی اور جسمانی دونوں حیثیتوں سے ایک مخلوط النسل قوم بنا دیا ہے۔ مثلاً ان میں ایک ہی ساتھ باشندگان اناطولیہ کی امن پسندی، ترکوں کی عظمت، اہل جاوہ کی ذلت، ایرانیوں کا غرور، مصریوں کی نرمی، ترکوں کی سختی، چینیوں کا سکون، مغربیوں کی تیز مزاجی، ہندوستان کی سادگی، یمنیوں کا فریب، شامیوں کی مستعدی اور زنگیوں کی کاہلی جمع ہوگئی ہے" [1]

افادیت | اس کی افادیت کے متعلق خود مولانا عبد السلام ندوی لکھتے ہیں:

"بالخصوص مدینہ کے حالات میں بطور خود بہت سی معلومات کا اضافہ کر دیا ہے اور اس طرح مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی حیثیت سے حرمین کی ایک نہایت مستند تاریخ مرتب ہوگئی ہے جو ایک طرف تو مسلمانوں کے دلوں میں حج اور مناسک حج کے فوائد، اسرار اور مصالح وحکم کا ایک غیر فانی یقین پیدا کر دیگی، دوسری طرف ایام حج میں مسلمانوں کی رہنمائی کا کام بھی دیگی اور اسکے ذریعہ سے لوگ بہت سے امراض اور بہت سے خطرات وتوہمات سے محفوظ رہیں گے" [2]

[1] تاریخ الحرمین الشریفین، ص ۳۱ [2] ایضاً ص ۵۔

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

از جناب سید مصطفےٰ علی بریلوی، اڈیٹر سہ ماہی العلم کراچی۔

حقیقی شہرت و عزت کا تاج اکثر ان اہل قلم کو حاصل ہوتا ہے جو غربت، افلاس اور تنگ دستی کے عالم میں بھی کتاب و قلم کا رشتہ قائم رکھتے ہیں۔ حصولِ مقصد کی خاطر تن، من، دھن قربان کر دیتے ہیں۔ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی ہمارے سلف صالحین کا اعلیٰ نمونہ، بہترین انشا پرداز اور صاحب نظر بزرگ تھے۔ آئینۂ حقیقت نما اور تین جلدوں میں تاریخ اسلام لکھ کر انھوں نے شہرت دوام حاصل کی۔ مورخ اسلام ان کے نام کا جزء لاینفک ان کی زندگی میں ہی بن گیا۔ ان کے ہندوستان کے چوٹی کے اکابر سے مساویانہ تعلقات تھے۔ علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر، صاحبزادہ آفتاب احمد خان جیسی بزرگ ہستیاں ان کی قدر کرتی تھیں۔

عاشق حسین بٹالوی مرحوم راوی ہیں کہ مولانا مرحوم کی کتاب "آئینۂ حقیقت نما" اس قدر مقبول ہوئی کہ مولانا محمد علی جوہر نے یہ کتاب مہاتما گاندھی کو تحفتاً پیش کی۔ (جزوی ترجمہ انگریزی میں ڈاکٹر سید محمود سابق وزیر بھارت نے کیا تھا) خواجہ حسن نظامی نے فرمایا:

"اگر میں صاحب استطاعت ہوتا تو مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی کو موتیوں میں تول دیتا"

مولانا کی کتاب تاریخ اسلام سے تو برصغیر پاک و ہند کی کوئی لائبریری آج بھی خالی نہیں ہے۔ علامہ سر محمد اقبال مولانا کے ہم عصر تھے۔ مولانا نے ایک مختصر رسالہ "حجت الاسلام" لکھا۔

اسے پڑھ کر علامہ اس قدر متاثر ہوئے کہ سو روپیہ اس کتابچہ کی تقسیم کے واسطے اپنی جیبِ خاص سے عنایت فرمائے۔

شدھی سنگٹھن کی تحریک کے زمانے میں مولانا نے مسلمانوں کی حمایت میں بڑی جرأت، لیاقت اور جوانمردی کے کام کیے۔ اس زمانے میں ان کو عام مسلمانوں، مولویوں کی آپس کی رقابت، علمی میدان میں ان کی کم مائیگی کا تلخ تجربہ ہوا۔ لہذا انھوں نے ایک معرکۃ الآرا کتاب اپنی زندگی کے آخری دور میں لکھی جس کا نام "معیار العلماء" تھا۔

مولانا بڑے کھرے مزاج کے بزرگ تھے۔ صاف بات، بلا مصلحت زبان و قلم پر آجاتی تھی۔ جس کا نقصان بھی ان کو اٹھانا پڑتا تھا۔ اس امر کا اظہار مولانا نے خود کیا ہے:

"مجھ کو امرا کی ملاقات سے ہمیشہ نفرت رہی ہے اور صاف بات کہنے میں تامل نہیں کرتا لہذا اکثر دوستوں کو شکایت پیدا ہوجاتی ہے، حسد میرے دل میں کبھی پیدا نہیں ہوا بلکہ حسد کے صحیح مفہوم کو میں سمجھ نہیں سکا۔ میری سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ میں خدائے تعالیٰ کی راہ میں کام آؤں"۔

یہ سطور ہم نے مولانا کے ایک تفصیلی خط سے نقل کی ہیں جو انھوں نے پروفیسر محمود بریلوی مرحوم کے نام لکھا تھا، جس میں اپنے حالات زندگی تحریر کیے تھے۔ اس تاریخی اہمیت رکھنے والے خط سے معلوم ہوا کہ ایک زمانہ میں ان پر قادیانیت کے پروپیگنڈہ کا خفیف سا اثر ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب وہ لاہور میں مقیم تھے۔ قادیانیت کی کہانی بیان کرنے سے قبل مولانا کے لاہور کے شب و روز کی کیفیت کے شاہد عاشق حسین بٹالوی کی زبانی سنیے!

"میں نے مولانا مرحوم کو پہلی مرتبہ لاہور میں دیکھا۔ میں مسلم سکول کا طالب علم تھا اور وہ وہاں مدرس تھے۔ درس و تدریس کے علاوہ ہوسٹل میں رہنے والے طلبہ کی نگہداشت کا

فرض بھی انہیں کے ذمہ تھا۔ میں بھی چونکہ ہوسٹل میں رہتا تھا اس لیے صبح سے شام تک
تقریباً سارا دن ان کے ساتھ گزرتا تھا۔ یہ صحبت کم و بیش دو سال قائم رہی اس کے بعد
مولانا نجیب آباد تشریف لے گئے اور پھر آخر دم تک انہوں نے نجیب آباد چھوڑنا گوارا
نہیں کیا۔ اسکول میں مولانا کی سخت تاکید تھی کہ تمام طلبہ صوم وصلوٰۃ کی پابندی کریں۔ ہوسٹل
میں وہ پانچوں وقت نہایت باقاعدگی سے باجماعت نماز پڑھتے اور امامت کرتے۔ نماز فجر
کے بعد نصف گھنٹہ قرآن مجید کا اور نماز عشا کے بعد امام غزالی کی احیاء العلوم کا درس دیا
کرتے تھے .... ورزش کا شوق تھا، طلبہ کو ہمیشہ ورزش کی تلقین کرتے۔ لاہور سے جہانگیر
کے مقبرے تک پاپیادہ جانا اور آنا ان کا معمول تھا"۔

مولانا علامہ اقبال کی زیا[illegible] ہفتہ میں ایک بار ضرور جاتے تھے۔ لاہور میں مولانا
کے دوستوں میں بڑی بڑی ہستیاں مثل چودھری عبدالحمید خاں (گورنمنٹ کالج) پروفیسر
عبدالقادر، مولانا انشاء اللہ خاں، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ (اسلامیہ کالج)، سرفضل حسین جیسی
شخصیت بھی جب وہ قانونی پریکٹس کرتے تھے، مولانا سے ملنے آتے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں
مولانا محمد دین فوق، راجہ نریندر ناتھ سے بھی ان کے قریبی مراسم تھے۔ مولانا ظفر علی خاں کی
قیدِ فرہنگ کے زمانہ میں انہوں نے زمیندار کی ادارت بھی کی۔ لاہور ہی میں حکیم نورالدین
قادیانی کی شخصیت سے مولانا متاثر ہو گئے۔ ان حکیم صاحب نے کچھ ایسا جادو کیا کہ مولانا
قادیان پہنچ گئے۔ اب آپ مولانا کا احوال خود ان کی زبانی سنیے:

"میں نے ایک سفر پنجاب کا اختیار کیا اور سیاحانہ قادیان بھی پہنچا وہاں جلسہ منعقد ہو رہا
تھا اور غالباً یہ ۱۹۰۶ء کا واقعہ ہے۔ میں کئی روز وہاں رہا مجھ کو وہاں کوئی چیز پسند نہ آئی
لیکن مولانا نورالدین کا درسِ قرآن میرے لیے قیمتی چیز تھی"۔

اگلے سال قادیان پہنچ کر وہاں قیام اختیار کیا مولانا ممدوح (نورالدین) نے مجھ کو جاتے ہی
دبوچ لیا اور میرے ساتھ ان کا برتاؤ ایسی محبت و شفقت کا تھا جس کی کوئی نظیر پیش نہیں
کی جا سکتی۔

سارے ملک میں خبر پھیل گئی کہ اکبر شاہ نجیب آبادی قادیانی ہو گئے۔ قدرتاً دوستوں،
عزیزوں کی طرف سے شدید ردعمل ہوا۔ دوسری طرف حکیم نورالدین کے انتقال کے بعد مولانا کی
آزاد اسلام پسندی کی وجہ سے بقول خود "میرے لیے قادیان کی زمین تنگ ہو چکی تھی"۔ ایک طرف
قادیانیوں کی جانب سے مولانا کو قتل کی دھمکیاں مل رہی تھیں، دوسری طرف مسلمانوں کی جانب سے
کفریہ فتوے دیے جا رہے تھے۔ مولانا فطرتاً بے حد راست گو اور خوب پڑھے لکھے آدمی تھے۔ انہوں نے
قادیان سے فوراً واپسی کو شانِ مردانگی کے خلاف سمجھا اور جم کر بیٹھ گئے۔ مولانا لکھتے ہیں:

"میں نے کئی مہینے کفریہ فتووں اور قتل کی دھمکیوں کو لغو ثابت کرنے کے لیے قادیان
میں بسر کیے اور پھر وہاں سے چلا آیا"۔

مولانا قادیانی ہوئے تھے یا نہیں یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے ان پر اس ناقص فلسفہ کا
اثر ضرور ہوا تھا۔ مولانا کے حقیقی بھتیجا اکاؤنٹنٹ جنرل سندھ کے دفتر میں افسر تھے ان کا لیاقت آباد
میں قیام تھا، اس وقت نام یاد نہیں آ رہا ہے۔ انہوں نے بھی اس امر کی تصدیق کی اور مولانا کی
کتابوں کا ایک بکس دکھایا جو قادیانی لٹریچر سے بھرا ہوا تھا۔ یہ بوسیدگی کے سبب تقریباً گل چکا
تھا۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ مولانا بہت جلد اس دورِ ابتلا سے نکل گئے۔ انہوں نے اپنے
خط بنام محمود بریلوی میں لکھا کہ:

"میرے اندر جو ایمان اور میری روح میں جو سوز و گداز اپنے گھر کی چار دیواری
کے اندر بچپن میں پیدا ہو چکا تھا وہی آج تک موجود ہے۔ الحمد للہ رب العلمین میں نے

نہ ایک منٹ کے لیے قادیان میں کتاب و سنت کے خلاف کوئی چیز کسی سے مرعوب ہو کر تسلیم و قبول کی اور نہ کسی دوسری جگہ ہاں یہ ضرور ہوا کہ بعض مسائل میں تحقیق و تفتیش کی کمی اور بے علمی و ناواقفیت کے سبب میں نے کچھ کا کچھ سمجھ لیا لیکن صحیح بات معلوم ہونے پر اس کو فوراً تسلیم کر لینے میں مجھے کبھی تامل نہیں تھا اور دل کی حالت الحمد للہ کبھی نہیں بگڑی"۔

اپنی غلطی کو تسلیم کرنا بہت بڑی بات ہے۔ مولانا اس میدان کے مرد نکلے۔

انہوں نے نجیب آباد سے رسالہ "عبرت" جاری کیا، اس کے مضامین و مقالات اکثر مولانا کے قلم سے تحریر کردہ ہوتے تھے۔ ملک بھر کے اہل علم کو اس کا انتظار رہتا تھا۔

نواب امیر خان والی ٹونک ایک مجاہد شخصیت تھی۔ سید احمد شہیدؒ انکے لشکر میں سات سال تک رہ چکے تھے۔ نواب امیر خان پر مولانا نے ایک کتاب لکھی جو آج بھی حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ علامہ اقبال نے ۲۲ ستمبر ۱۹۲۲ء کے اپنے خط میں لکھا:

"امیر خان پر آپ نے خوب مضمون لکھا تھا، خدا تعالیٰ اس کے جانشینوں کو بھی ہدایت دے"۔

(مقالہ عاشق حسین بٹالوی "العلم" سہ ماہی اکتوبر ۱۹۵۸ء)

مولانا کے خود اپنے بیان کے مطابق "میری پیدائش غالباً ۱۸۷۶ء میں ہوئی اور اس حساب سے ۱۹۳۶ء میں میری عمر ساٹھ سال کی ہے۔

مولانا کو ضعفِ معدہ کی شکایت ہوئی اور اس مرض میں ۱۹۳۸ء میں انتقال ہوا۔ جوالا پور نزد ہرِدوار روہیلہ افغانوں کی ایک چھوٹی سی خوبصورت بستی دریائے گنگا کے کنارے آباد تھی۔ مولانا وہیں مدفون ہیں۔ جوالا پور کے مسلمان ۱۹۴۷ء میں فسادات میں تباہ و برباد ہو گئے۔ راقم مدیر بھی ۱۹۴۶ء میں عین فسادی ماحول میں ایک رات غیور و بہادر افغانان جوالا پور کا مہمان رہا تھا۔ مشہور و ممتاز شاعر روش صدیقی مرحوم اسی بستی کے رہنے والے تھے۔

آثارِ علمیہ و ادبیہ

مکتوب ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی

بنام

شاہ اقبال احمد ردولوی

۶ مارچ ۶۲ء

برادرم، تسلیمات:

آپ کے کئی خطوط ملے۔ میں چند در چند مصروفیات کے باوجود جواب نہ دے سکا۔ "مقدمہ کلام آتش" کی آپ نے فرمائش کی تھی اس کی بھی تعمیل نہ ہو سکی۔ دراصل اسکی صرف دس کاپیاں مجھے ملی تھیں جو شروع ہی میں احباب کی نذر ہو گئیں۔ امید ہے معذرت قبول فرمائیں گے۔

آپ نے نظم کے سلسلے میں جن خیالات کا اظہار کیا ان سے مسرت ہوئی اور اس بات سے اور بھی کہ آپ نے خود ایک نظم میرے پاس بھیجی۔ میرا اپنا خیال ہے کہ نظم اور غزل ایک دوسرے کی حریف نہیں ہیں اور نہ ہی یہ بات ہے کہ جو شاعر اچھا غزل گو ہو وہ اچھا نظم گو نہیں ہو سکتا یا جو اچھا نظم گو ہو وہ اچھا غزل گو نہیں ہو سکتا۔ غزل کی اپنی خوبیاں ہیں اور اس کا اپنا لطف ہے لیکن یہ کلاسیکی صنف اپنے پورے امکانات کے ساتھ سامنے آچکی ہے اس لیے اس پر اضافے کی گنجائش کم ہے۔ ویسے بحیثیت ایک صنفِ سخن کے یہ ہمیشہ باقی رہے گی۔ نظم ایک جدید صنف ہے اس لیے اس کے امکانات بے حد وسیع ہیں۔ پھر نظم کی یہ بھی

خصوصیت ہے کہ اس میں بے حد لچک اور جامعیت ہے اور اس میں پچھلے زمانے کی تمام اصناف
سخن اپنی خوبیوں کے جذب ہو سکتی ہیں ۔ بعض نے عناصر سے آمیز ہو کر اور عمدہ شکل اختیار
کر سکتی ہیں یعنی کوئی نظم گو اپنی نظم میں غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، شہر آشوب، اسی
طرح مخمس، مسدس، ترجیع بند، ترکیب بند، قطعہ تمام ہیئتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
جدید مسائل اور موضوعات سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ غزل اس لحاظ سے بہت کٹر ہے
اور اس کا دائرہ اور اس کی کیفیات محدود ہیں، اس دائرہ کو توڑ کر غزل غزل نہیں رہتی
کچھ اور ہو جاتی ہے۔ غزل میں اسلوب کے تجربے تو کیے جا سکتے ہیں لیکن اس کی ہیئت
(FORM) میں کسی تبدیلی یا تجربے کی گنجائش نہیں اور جن لوگوں نے اس کی کوشش
کی ہے انہیں زیادہ کامیابی نہ ہو سکی۔ مرحوم آرزو لکھنوی کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ بیشک
وہ ایک عمدہ شاعر تھے اور غزل کے اسلوب میں انہوں نے جو تازگی اور ندرت پیدا کی
وہ ان کا ایسا کارنامہ ہے جسے کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ انہوں نے اپنی غزل میں ایک نئی
فضا پیدا کی اور غزل کے مزاج کو بہت کچھ بدلنے کی کوشش کی لیکن ان کا کام تجرباتی
نوعیت کا ہے اور ان کی توجہ زیادہ تر اسلوب پر رہی اس لیے انسانی تجربات کی پیچیدگیاں
اور مسائل حیات انکی گرفت میں بہت کم آسکے اور ان کی غیر مقبولیت کا ایک سبب یہ
بھی ہے۔ یعنی ایک سبب تو روش عام سے انحراف ہے (یہ ان کی خوبی ہے اور ایسی خوبیوں
کا اعتراف بعد میں کیا جاتا ہے جس طرح غالب کے اختراعات کی قدر بعد میں ہوئی) لیکن دوسرا
سبب ان کی غزل کا محدود دائرہ بھی ہے جس میں کسی خاص تصور حیات کا پتہ نہیں چلتا
نہ عشق کے بارے میں، نہ جمالیات کے بارے میں، نہ سیاست اور نہ روحانی کیفیات کے
بارے میں، ان کی ساری کوشش انداز بیان کی ندرت پر رہتی ہے اور "خالص اردو" بعض اوقات

بھلی لگتی ہے لیکن جہاں شعر میں سپاٹ پن آتا ہے تو یہ کوشش پر تصنع معلوم ہونے لگتی ہے
اور آورد کا گمان گزرتا ہے۔ ویسے ان کے یہاں اچھے اشعار کی کمی نہیں، لیکن حسرت، فانی،
اصغر اور جگر یا فراق اور یگانہ کے مقابل بعض اعتبار سے ان کا قد کچھ دبتا ہوا ہے۔

جہاں تک اصغر کا تعلق ہے، اصغر احساسات کے شاعر نہیں ہیں، یعنی مادی احساسات
کے، بلکہ ان کے یہاں ایک ذہنی فضا ملتی ہے جو تصوف کے اثر سے آتی ہے۔ تصوف سے
انہوں نے گداز کے بجائے نشاط کا عنصر قبول کیا ہے اس لیے ان کے یہاں ایک رقص اور
وجد کی کیفیت ملتی ہے۔ اس کیفیت میں ایک ماورائی دھندلکا ہے اس لیے وہ لطیف معلوم
ہوتا ہے اور اس معاملے میں وہ ایک منفرد شاعر ہیں۔

ویسے ان کی شاعری کا دائرۂ اثر نسبتاً محدود ہے اور ان کے یہاں زیادہ گہرائی بھی نہیں۔

امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

نیاز مند

خلیل الرحمن اعظمی

اردو غزل

از جناب ڈاکٹر یوسف حسین خاں مرحوم

یہ اردو شاعری کی مقبول ترین صنف غزل کا مفصل و مبسوط تاریخی و تنقیدی
جائزہ ہے، جس میں غزل کے لامحدود امکانات، اس کے جمالیاتی محرکات، موضوع اور
ہیئت اور اس کے حسن مطالب پر نہایت بلند پایہ بحث کی گئی ہے، نیز ولی اورنگ آبادی
سے جدید غزل گو شعراء تک کے کلام کا عمدہ انتخاب بھی ہے اس کتاب کے متعلق اعتراف کیا گیا
کہ صنف غزل کو گذشتہ دنوں جو احیاء نصیب ہوا، یہ کتاب اس کا خاص سبب ہے۔

قیمت ۱۲۰ روپے

وفیات

قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی

۲۸ اگست ۱۹۹۷ء کو مشہور عالم ربانی اور مرجع خلائق بزرگ قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وہ ضلع باندہ کے ایک گاؤں ہتھورا کے رہنے والے تھے جو علمی و تمدنی حیثیت سے بہت پس ماندہ تھا، انہوں نے مظاہر العلوم سہارنپور میں تعلیم حاصل کی اور مولانا اسعد اللہ صاحب، خلیفہ حضرت تھانوی سے بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت حاصل کی، تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے وطن سے قریب فتح پور میں مفتی ظہور الاسلام صاحب کے مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے مگر کچھ ہی دنوں بعد ان کے گاؤں ہتھورا اور اس کے گرد و نواح میں ارتداد کی لہر پھیل گئی۔ چنانچہ قاری صاحب نے اپنے گاؤں میں بڑی بے سر و سامانی کے عالم میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے سرگرم عمل ہو گئے، ان کی یہ اصلاحی کوشش بارآور ہوئی اور جو خطہ ارتداد کی لپیٹ میں آچکا تھا اب وہ مرکز علم و رشد بنا ہوا ہے، جہاں دور دراز سے طلبہ اور علوم نبوت کے شائقین رختِ سفر باندھ کر آتے ہیں۔

قاری صاحب اچھے معلم و مدرس ہی نہ تھے بلکہ ایک داعی و مصلح بھی تھے، اس کی وجہ سے علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے آنے والوں کے علاوہ ہر وقت طالبین و سالکین کا جمگھٹ ان کے یہاں لگا رہتا تھا اور ہر ایک بقدر استعداد ان سے فیضیاب ہوتا تھا۔ مشرقی اضلاع کے لوگوں کو ان کی تذکیر و ہدایت سے خاص طور پر بڑا فائدہ ہوا۔

راقم الحروف جامعہ عربیہ ہتھورا میں حاضری کے موقع پر ان کی مشغول زندگی کا خود مشاہدہ کر چکا ہے، نماز فجر کے بعد سے ظہر تک طلبہ کی ایک جماعت ان سے سبق پڑھ کر جاتی تو خالی گھنٹے میں پچاسوں کی تعداد میں لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور یہ سلسلہ دوسرے طلبہ کی آمد تک مسلسل قائم رہتا، اسی کے ساتھ وہ ملک کے مختلف مقامات کا سفر بھی کرتے رہتے تھے، مگر اس میں بھی اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ طلبہ کا تعلیمی نقصان نہ ہونے پائے۔

حیرت ہوتی ہے کہ ان متنوع مشاغل کے باوجود وہ لکھنے پڑھنے کے لیے کس طرح وقت نکال لیتے تھے، فن تجوید و قرأت اور علم منطق سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ طلبہ کی سہولت کے لیے انہوں نے ان فنون پر چند مختصر رسالے لکھے جو بعض مدارس کے نصاب میں داخل ہیں۔

قاری صاحب ہر طبقہ و جماعت میں یکساں محبوب اور ہر دلعزیز تھے، اکثر دینی درسگاہوں سے ان کو تعلق رہا اور ہر طبقہ کے علماء و مشائخ سے بھی ان کے روابط تھے۔ ان کی ذات مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں کے لیے بھی نفع بخش تھی، وہ بلا تفریق مذہب و ملت ہر ضرورت مند اور پریشان حال کی مدد کرتے، ان کے یہاں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تمیز نہ تھی۔

طبعاً حلیم، نرم خو، منکسر المزاج اور سادگی پسند اور بڑے مہمان نواز تھے، خوردوں کے ساتھ شفقت و محبت اور بزرگوں کا احترام ان کی طبیعت ثانیہ تھی، شرافت، مروت اور اخلاق حسنہ کے مثالی پیکر تھے اور انہی خوبیوں کی بنا پر وہ مرجعِ خلائق بن گئے تھے اور مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی ان کے حد درجہ گرویدہ تھے۔

مسلسل محنت و ریاضت نے قاری صاحب کو قبل از وقت بہت کمزور اور ناتواں کر دیا تھا، بلڈ پریشر کی شکایت اور دل کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا، ڈاکٹروں کی سخت تاکید اور ہدایت تھی کہ محنت کم کر دیں، مگر ان کی روح مضطرب اور بے چین دل کو سکون کہاں مل سکتا تھا، بالآخر ۲۸ اگست ۱۹۹۷ء کو عمر بھر کی بیقراری کو قرار آگیا اور اپنی خدمات کا صلہ لینے کے لیے رب العالمین کے حضور میں جا پہونچے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کے اعزہ و متوسلین کو صبر کی توفیق بخشے اور ان کی قائم کردہ یادگار جامعہ عربیہ ہتھورا کو قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

ع۔ ع۔

یا اسفیٰ علی یوسف

افسوس ہے کہ جناب سید یوسف صاحب سکریٹری جماعت اسلامی ہند کا مختصر علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وہ جماعت اسلامی ہند کے پُرجوش اور فعال رکن تھے، جماعت کے سکریٹری ہونے کے ساتھ انگریزی ہفتہ وار اخبار "ریڈینس" بھی انکی ادارت میں نکلتا تھا۔ جماعت اسلامی نے جب "فورم برائے جمہوریت و فرقہ وارانہ ہم آہنگی" کے نام سے ایک مشترکہ سیکولر پلیٹ فارم قائم کیا تو اسکی کامیابی کے لیے انھوں نے بڑی سرگرمی دکھائی اور مسلسل سفر بھی کیے۔

نہایت سادہ، متواضع اور خلیق آدمی تھے، ہر طبقہ و مسلک کے لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے جلتے تھے، ابھی صرف اسٹھ برس کی عمر ہوئی تھی اور جماعت اسلامی ہند کو بجا طور پر ان سے بڑی توقعات وابستہ تھیں مگر ۳۰ ستمبر کو رب حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین

ع۔ ع۔

ادبیات

حمد باری تعالیٰ

از جناب مقصود احمد مقصود۔ بڑودہ یونیورسٹی

تری حمد مجھ سے ہو کیا بیاں، تری شان جل جلالہ — میں ترے حضور ہوں بے زباں، تری شان جل جلالہ

تری ذاتِ پاک ہے بے کنہ، ہے محال درکِ صفات بھی — تو ورائے فہم ہے بے گماں، تری شان جل جلالہ

تو ہر ابتدا کی ہے ابتدا، نہیں تیری کوئی بھی انتہا — بہ لحاظِ ذات ہے تو نہاں، تری شان جل جلالہ

ہیں یہ کائنات کی رونقیں ترے ہی وجود کے نور سے — تو صفت سے اپنی ہے خود عیاں، تری شان جل جلالہ

تو ہے زندہ اپنی حیات سے، تو ہے قائم اپنی ہی ذات سے — تو ہے منبعِ دمِ انس و جاں، تری شان جل جلالہ

نہ تو ہے کسی کا بھی تو پسر، نہ ترا ہی کوئی بھی ہے پسر — تو ہے بے نیازِ ہر این و آں، تری شان جل جلالہ

تو علیم ہے تو بصیر ہے، تو سمیع ہے تو خبیر ہے — تو مرید، تو ہی ہمہ تواں، تری شان جل جلالہ

ترے فعل تیرے ارادے ہیں، تری شانِ منع و عطا میں بھی — ہے کسے مجالِ چنیں چناں، تری شان جل جلالہ

تجھے نیند سے نہیں واسطہ کہ تکان تجھ کو نہیں روا — تو ہے تازہ دم تو رواں دواں، تری شان جل جلالہ

تو ہر ایک عیب سے پاک ہے، تو ہی خوبیوں سے ہے متصف — تری ذات میں نہیں خامیاں، تری شان جل جلالہ

تو جلیل بھی تو جمیل بھی، تو غنی بھی ہے تو حمید بھی — نہ تو ناقص و نہ تو ناتواں، تری شان جل جلالہ

تو محیط بھی تو رقیب بھی تو رگِ گلو سے قریب بھی — ہے وجودِ خلق میں تو نہاں، تری شان جل جلالہ

ہیں نظر میں تیری ہی شوخیاں، ہیں تری ہی دل میں تجلیاں — تو ہی جسم و روح کے درمیاں، تری شان جل جلالہ

یہ جو حکم قبلہ رخی کا ہے تو یہ اتحاد کی رو سے ہے — تو ہے بے جہت تو ہے لامکاں، تری شان جل جلالہ

تو کفیل ہے تو وکیل ہے، تو حفیظ ہے تو نصیر ہے — ترا آستاں ہی درِ اماں، تری شان جل جلالہ

ہیں وجودِ خیر سے راحتیں، ہیں وجودِ شر میں بھی حکمتیں — یہ سبھی ہیں یاں پئے امتحاں، تری شان جل جلالہ

ہے مرا وجود اٹا ہوا گنہ و خطا کے غبار میں — ہو نہ دل بِ رحمتِ بے کراں، تری شان جل جلالہ

حضور ہو کہ شہود ہو کہ ہو صحو و محو کی کیفیت
ہیں یہ اجتبا کی نشانیاں، تری شان جل جلالہ

میں ہوں ناخلف یہ ہے سچ مگر مجھے لے چلا ہے تری طرف
ترا فضلِ خاص کشاں کشاں، تری شان جل جلالہ

میں ہوں غرق قلزمِ یاد میں، گہرِ وصول کی چاہ میں
ہے قرار مجھ کو یہاں کہاں، تری شان جل جلالہ

نعت

از پروفیسر محمد ولی الحق انصاری، لکھنؤ

ہمائے اوجِ سعادت بدام کرتے ہیں
نبی کی نعت کا ہم اہتمام کرتے ہیں

دیارِ عشق سے لانے کو نعت کے موتی
سمندِ فکر کو ہم تیز گام کرتے ہیں

انہیں کو عرش کے بانی سلام کرتے ہیں
وہی جو مدحتِ خیر الانام کرتے ہیں

نبی کی آتی ہے خوشبو قرآں کے لفظوں سے
سنو! کہ اب بھی وہ ہم سے کلام کرتے ہیں

خیالِ پاک، زبانِ پاک، طرزِ مدحت پاک
ہم اس کی نعت میں یہ التزام کرتے ہیں

سکونِ قلب دیا نعتِ مصطفےٰ! تو نے
ترے طفیل ہم عیشِ دوام کرتے ہیں

گدائے در ترے ہیں بے نیازِ باغِ بہشت
یہ لوگ دور سے اس کو سلام کرتے ہیں

یہی وسیلۂ بخشش ہمارا ہو شاید
نبیؐ کے خُلق کو دنیا میں عام کرتے ہیں

ہے رہبریِ جہان سے بلند اس کا مقام
یہ کام وہ ہے جو اس کے غلام کرتے ہیں

جنھیں ستاتا ہے آسیبِ شک و گمراہی
وہ لوگ وردِ زباں تیرا نام کرتے ہیں

انہیں کو ملتی ہے خوشنودیِ خدا و رسول
نبیؐ کے پیاروں کا جو احترام کرتے ہیں

وہ سرفروش فدائی تھے جو محمدؐ کے
کنارِ چشمۂ کوثر خرام کرتے ہیں

یہ فیضِ صحبتِ ذاتِ نبیؐ ہے جو اصحاب
بزیرِ سدرہ و طوبیٰ قیام کرتے ہیں

ولی کی بادہ کشی کا نرالا ہے انداز
نبی کی مدح سے کوثر بجام کرتے ہیں

مطبوعات جدیدہ

ملی امراض اور ان کا علاج، شاہراہ اعتدال از علامہ محمد غزالی،

مترجم جناب ابو مسعود اظہر ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور طباعت، صفحات ۲۸۰ قیمت ۸۰ روپے، پتہ: اسامہ پبلی کیشنز، فائن کمپوزنگ سنٹر، A - ۵ - 8، غفار منزل، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

عہد حاضر میں عالم عرب بلکہ عالم اسلام کے صاحبِ فکر و نظر علامہ محمد غزالی اسلام کی اشاعت و ترجمانی اور مخالفین اسلام کے اعتراضات و شبہات کے ازالہ کے لیے مشہور ہیں، ان کا اسلوب بڑا موثر، منطقی اور معتدل ہے، اپنی ایک کتاب "دستور الوحدۃ الثقافیہ بین المسلمین" میں انہوں نے امت کے موجودہ اختلاف و انتشار کی جڑوں کی نشاندہی کر کے اس کے اتحاد و یکجہتی کے موانع کا جائزہ تفصیل اور دقت نظر سے لیا ہے، زیر نظر کتاب اسی مفید کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں قرآن و سنت، نص شرعی، اخبار احاد اور اجتہاد کے علاوہ، فقہی اختلاف رائے، مسلکی تعصب، تقلید، سلفیت، بدعت، توسل اور تکفیر وغیرہ پر تفصیل سے اظہار خیال کیا گیا ہے، مکاتب فقہ، اہل حدیث اور سلفیت و بدعت کے مباحث ہندوستان کی موجودہ دینی و مذہبی فضا میں خاص طور پر مطالعہ کے لائق ہیں، مرکزی نقطہ یہی ہے کہ تمام اختلافات و تنازعات کا اصل سبب وہ پوشیدہ نفسیاتی امراض ہیں، جن میں ذہنی خواہشیں مادی خواہشوں سے زیادہ سنگین بن جاتی ہیں، فقہی تعصب کی ایک عبرت ناک مثال بھی پیش کی گئی ہے کہ شام کے صدر حافظ الاسد نصیری اور اخوان المسلمین کے

درمیان آویزش کے متعلق بعض لوگوں نے کہا کہ اگر اخوانی کامیاب ہوئے تو حنفی فقہ کی حکمرانی ہوگی اور ابوحنیفہ، حافظ الاسد سے بہتر نہیں، فاضل مصنف شیخ حسن البنا سے بہت متاثر ہیں، ان کے منتخب اقوال جابجا نقل کیے ہیں، عالم عرب کی طرح برصغیر کے مسلمانوں کے ملی امراض کی تشخیص و علاج کے لیے یہ کتاب ایک مفید اور عمدہ نسخہ ہے، ترجمہ سلیس اور رواں ہے لائق مترجم کا مقدمہ بھی قابل مطالعہ ہے۔

مولانا مودودیؒ کے انٹرویو مرتبہ جناب ابو طارق ایم اے، متوسط تقطیع عمدہ کاغذ، کتابت و طباعت، مجلد، صفحات ۳۳۵، قیمت ۵۲ روپے، پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳، چتلی قبر، دہلی ۶۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریر و تقریر کے وسیع اور متنوع ذخیرے میں یہ کتاب ایک اور عمدہ اضافہ ہے، ملاقاتیوں سے مولانا کی گفتگو اور ان کے سوالوں کے جواب وقتاً فوقتاً بعض رسائل و جرائد میں شایع ہوتے رہے ہیں، اس کتاب میں ان کے چالیس انٹرویو شامل ہیں جو ۴۸ء سے ۷۲ء تک کے عرصہ میں لیے گئے تھے، ان سے مولانا مرحوم کے ذہنی سفر کی استقامت اور عزم و ہمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، عموماً ہر گفتگو کا خاص موضوع اسلام کی سربلندی اور اس کے لیے فکر و عمل کا طریقہ کار ہے، اس کے علاوہ تعلیم، تہذیب، اخلاق و کردار، سرمایہ داری اور اشتراکیت و اشتمالیت پر بھی اظہار خیال کیا ہے، ان کے یہ انٹرویو دراصل ان کی کتابوں اور بے شمار مضامین کا عطر ہیں، قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کے متعلق انہوں نے کہا کہ "... آیا ہم قرآن سے اس کا منشا معلوم کرتے ہیں یا قرآن کو اپنے منشا کے مطابق ڈھالتے ہیں، پہلی صورت میں ہم اس سے رہنمائی لیتے ہیں، دوسری صورت میں ہم اس کی رہنمائی کا منصب سنبھالنے لگتے ہیں"، اجتہاد کے متعلق ایک گفتگو میں کہا کہ مغربی تہذیب سے مغلوب لوگ

جب قدیم فقہاء کے اختلافات اور پھر اجتہاد کی باتیں کرتے ہیں تو ان کا اصل مدعا اسلامی قانون سے فرار ہوتا ہے، کتاب کی پہلی تحریر مولانا محمد عمران خاں ندوی مرحوم کی مرتب کردہ "مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں" سے ماخوذ ہے۔ مولانا مرحوم اور جماعت اسلامی کے فکر و مزاج کو سمجھنے میں اس کتاب سے بڑی مدد ملتی ہے۔ (ع۔ص)

یادگار مجلہ حیات و خدمات عبید الرحمن خاں شروانی متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت اچھی، صفحات اردو ۱۱۲، صفحات انگریزی ۵۶، مجلد و مصور شایع کردہ انجمن الفرض، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

الحاج نواب عبید الرحمن خاں شروانی ایک عالی خاندان کے چشم و چراغ اور بڑے باپ کے بیٹے ہی نہیں تھے بلکہ خود بھی نہایت ممتاز اوصاف و کمالات اور بڑی پاکیزہ اور دلکش شخصیت کے حامل اور بہت عملی آدمی تھے، اعتدال، متانت، سلامت روی، علم دوستی، حلم، شرافت، وضعداری، انکسار، خلوص، دردمندی، جذبۂ خدمت و ایثار، تدبر، معاملہ فہمی اور خوش انتظامی میں وہ اپنی مثال آپ تھے، علی گڑھ تحریک کے عاشق و شیدائی تھے، اس کے اور اس کے ذیلی اداروں کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے اور ان کی بے مزد نمایاں خدمت انجام دی، گرد و نواح کے اسکولوں کالجوں اور تعلیمی اداروں کو بھی ان کی ذات سے بڑا فیض پہنچا، دارالمصنفین، ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند کو بھی ان کے مشوروں اور تجربوں سے بڑی مدد اور رہنمائی ملی۔ ڈیوٹی سوسائٹی علی گڑھ نے جس کو ان کی مساعی جمیلہ سے نئی زندگی ملی، نومبر ۱۹۹۵ء میں اپنے اس محسن کی یاد میں ایک سیمنار کرایا اور اب یہ یادگاری مجلہ شایع کیا ہے جس کے ایک حصہ میں اردو اور دوسرے میں انگریزی مضامین اور بعض پیغامات درج ہیں، اکثر مضامین علی گڑھ تحریک اور یونیورسٹی سے وابستہ لوگوں کے ہیں جن کو برسوں نواب صاحب کے ساتھ کام کرنے اور قریب رہنے کا

اتفاق ہوا تھا، ایک مضمون خود ان کے فرزند والا تبار پروفیسر ریاض الرحمٰن خاں شروانی کا ہے، اس میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے ان کے تعلق اور خدمات کا تذکرہ ہے، اسی طرح دوسرے مضامین سے بھی ان کی زندگی، علمی، تعلیمی، قومی اور ملی خدمات کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں جن سے تعلیمی اور قومی کام کرنے والوں کو بڑی رہنمائی مل سکتی ہے، جابجا مختلف موقعوں کی تصویریں بھی دی گئی ہیں، اس یادگار مجلہ کی اشاعت پر سوسائٹی کے کیپر پروفیسر ابوالحسن صدیقی تبریک کے مستحق ہیں۔

وہ بھی کیا دن تھے مرتبہ جناب مسعود احمد برکاتی، چھوٹی تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۶۴، قیمت ۲۵ روپے، پتہ: نونہال ادب، ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، کراچی۔

حکیم محمد سعید صاحب ایسے متحرک، چاق چوبند اور سراپا عمل انسان ہیں جن کی پیری میں بھی ہے مانندِ سحر رنگ شباب ان کے کمالات و خدمات اور سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع ہے اور وہ بڑے حیرت انگیز اور متضاد اوصاف و کمالات کے حامل ہیں، تحریر و تصنیف کا ملکہ خداداد ہے، تعجب اس پر ہے کہ گوناگوں اشغال اور آئے دن کے اسفار کے باوجود وہ اسکا موقع کس طرح نکال لیتے ہیں اور اس سے عجیب تر یہ ہے کہ اب انہوں نے بچپن کی یادوں اور شرارتوں کو قلم بند کرنے کا موقع نکالا ہے اور جب محسوس کیا کہ کہیں ان کے نونہال بھی شرارت پر آمادہ نہ ہو جائیں تو اس کی تلافی کے لیے کتاب کے آخر میں سعید پارے بھی شامل کر دیے جو گنجینۂ حکمت ہیں، یوں بھی حکیم صاحب کی شرارتیں بچوں کی دلچسپی اور سبق آموزی کا سامان ہیں۔ حکیم صاحب نے شرارتوں کے ذکر کے لیے جناب مسعود احمد برکاتی کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے، مگر ان کے نونہال برکاتی صاحب کے ممنون ہیں کہ انہوں نے یہ اچھی اور دلچسپ کتاب تیار کرا دی۔

"ض"